باغ و بہار

میر امن دہلوی کی مشہور آفاق کتاب

باغ و بہار

جسکو

عالی جناب ڈاکٹر سید محی الدین قادری صاحب زورؔ ایم۔ اے۔ پی، ایچ، ڈی (لندن)
معتمد اعزازی ادارۂ ادبیات اُردو حیدرآباد دکن
پروفیسر اُردو جامعۂ عثمانیہ

نے

طالب علموں اور عام لڑکوں اور لڑکیوں کے مطالعہ کیلئے
غیر ضروری اور نامناسب حصے حذف کرکے
مرتب کیا

مطبوعہ
اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز حیدرآباد

فہرست

نشان سلسلہ	عنوانات	صفحات
۱	دیباچہ	۵
۲	میر امن کی عرضی	۷
۳	شروع قصّے میں	۹
۴	پہلے درویش کی سیر	۱۹
۵	دوسرے درویش کی سیر	۶۲
۶	آزاد بخت بادشاہ کی سرگذشت	۱۰۰
۷	تیسرے درویش کی سیر	۱۶۲
۸	چوتھے درویش کی سیر	۱۷۷

دیباچہ

جو صاحبِ دانا اور ہندوستان کی زبان بولنے والے ہیں اُن کی خدمت میں گذارش کرتا ہوں، کہ یہ قصّہ چار درویش کا ابتداء میں امیر خسرو دہلوی نے اِس تقریب سے کہا کہ حضرت نظامُ الدّین اولیا زری زربخش جو اُن کے پیر تھے، اور درگاہ اُن کی دلّی میں قلعے سے تین کوس لال دروازے کے باہر ٹیا دروازے سے آگے لال بنگلے کے پاس ہے۔ ان کی طبیعت ماندی ہوئی، مرشد کے دل بہلانے کے واسطے امیر خسرو یہ قصہ ہمیشہ کہتے اور بیمارداری میں حاضر رہتے۔ اللہ نے چند روز میں شفا دی، تو انھوں نے غسل صحت کے دن یہ دعا دی، کہ جو کوئی اس قصّے کو سُنے گا، خدا کے فضل سے تندرست رہے گا، جب سے یہ قصہ فارسی میں مروّج ہوا۔

اب جان گلگرسٹ صاحب نے لطف سے فرمایا، کہ اس قصّے کو ٹھیٹ ہندوستانی گفتگو میں جو اُردو کے لوگ ہندو مسلمان عورت، مرد، لڑکے، بالے خاص و عام آپس میں بولتے

چاہتے ہیں، ترجمہ کرو۔ موافق حکم حضور کے میں نے بھی لکھنا شروع کیا۔ جیسے کوئی باتیں کرتا ہے۔

پہلے اپنا احوال یہ گنہگار میر امّن دِلّی والا بیان کرتا ہے کہ میرے بزرگ ہمایوں پادشاہ کے عہد سے ہر ایک پادشاہ کی رکاب میں جانفشانی بجالاتے رہے، اور وہ بھی پرورش کی نظر سے قدر دانی جتنی چاہئے فرماتے رہے۔ جاگیر و منصب اور خدمات کی عنایت سے سرفراز کرکے مالا مال اور نہال کر دیا۔ جب ایسے گھر کی (کہ سارے گھر اُس گھر کے سبب آباد تھے) یہ نوبت پہنچی کہ ظاہر ہے، تب سورج مل جاٹ نے جاگیر کو ضبط کرلیا، اور احمد شاہ درّانی نے گھر بار تاراج کیا۔ ایسی ایسی تباہی کے بعد دیسے شہر سے (کہ وطن اور جنم بھوم میرا ہے، اور آنول نال وہیں گڑا ہے) جلا وطن ہوا ڈوبتے کو تنکے کا آسرا بہت ہے۔ کتنے برس بلدۂ عظیم آباد میں دم لیا کچھ بنی کچھ بگڑی۔ آخر وہاں سے بھی پاؤں اکھڑے، تنِ تنہا کشتی پر سوار ہو کلکتے میں آپہنچا۔ چندے بیکاری گذری، اتفاقاً نواب دلاور جنگ نے بلوا کر اپنے چھوٹے بھائی میر محمد کاظم خاں کی اتالیقی کے واسطے مقرر کیا قریب دو سال وہاں رہا لیکن نباہ اپنا نہ دیکھا۔ تب منشی میر بہادر علی جی کے وسیلے سے جان گلکرسٹ صاحب بہادر کے حضور تک رسائی ہوئی۔ یہ بھی غنیمت ہے کہ ایک ٹکڑا کھا کر پاؤں پھیلا کر سو رہتا ہوں اور گھر میں دس آدمی چھوٹے بڑے پرورش پاکر اس قدردان کو دعا کرتے ہیں۔ خدا قبول کرے

عرضی میرامّن دِلّی والے کی

جو

مدرسے کے مختار کار صاحبوں کے حضور میں دی گئی

صاحبانِ والا شان نجیبوں کے قدر دانوں کو خدا سلامت رکھے

اس بے وطن نے حکم اشتہار کا سُن کر چار درویش کے قصّے کو

ہزار جدّ و کد سے اُردوے معلیٰ کی زبان میں باغ و بہار بنایا۔

فضل الٰہی سے سب صاحبوں کے سیر کرنے کے باعث سرسبز ہوا

اب امیدوار ہوں کے کہ اس کا پھل مجھے بھی ملے، تو میرا

غنچۂ دل مانند گل کے کِھلے۔ بقول حکیم فردوسی کے شاہنامے

میں کہا ہے۔

بسے رنج بُردم درین سال سی — عجم زندہ کردم بہ ایں پارسی

سو اُردو کی آراستہ کر زباں — کیا مَیں نے بنگالا ہندوستان

خاوند! آپ قدردان ہیں۔ حاجت عرض کرنے کی نہیں۔ الٰہی تارا اقبال کا چمکتا رہے

شروع قصّے میں

سیر میں چار درویش کی یوں لکھا ہے اور کہنے والے نے کہا ہے کہ روم کے ملک میں کوئی شہنشاہ تھا کہ نوشیرواں کی سی عدالت اور حاتم کی سی سخاوت اُس کی ذات میں تھی۔ نام اُس کا آزاد بخت اور شہر قسطنطنیہ (جس کو استنبول کہتے ہیں) اُس کا پائے تخت تھا۔ اُس کے وقت میں رعیت آباد، خزانہ معمور، لشکر خوش حال، غریب غربا آسودہ، ایسے چین سے گزران کرتے اور خوشی سے رہتے کہ ہر ایک کے گھر میں دن عید اور رات شبِ برات تھی اور جتنے چور، جیب کترے، اُٹھائی گیرے، وغاباز تھے، سب کو نیست و نابود کرکے نام و نشان اُن کا اپنے ملک بھر میں نہ رکھا تھا۔ ساری رات دروازے گھروں کے بند نہ ہوتے اور دوکانیں بازار کی کھلی رہتیں، راہی مسافر جنگل میدان میں سونا اچھالتے چلے جاتے، کوئی نہ پوچھتا کہ تمہارے منہ میں کتنے دانت ہیں اور کہاں جاتے ہو؟

اس بادشاہ کے عمل میں ہزاروں شہر تھے اور کئی سلطان خراج دیتے۔ ایسی بڑی سلطنت پر اپنے دل کو خدا کی یاد اور بندگی سے غافل نہ کرتا۔ آرام دنیا کا جو چاہیئے سب موجود تھا، لیکن فرزند کہ زندگانی کا پھل ہے اس کی قسمت کے باغ میں نہ تھا۔ اس لئے

اکثر فکرمند رہتا اور پانچوں وقت کی نماز کے بعد اپنے کریم سے کہتا کہ اے اللہ! مجھ عاجز کو تو نے اپنی عنایت سے سب کچھ دیا۔ لیکن ایک اِس اندھیرے گھر کا دیا نہ دیا۔ یہی ارمان جی میں باقی ہے کہ میرا نام لیوا اور پانی دیوا کوئی نہیں اور تیرے خزانہ میں سب کچھ موجود ہے، ایک بیٹا جیتا جاگتا مجھے دے، تو میرا نام اور اِس سلطنت کا نشان قائم رہے۔

اسی امید میں بادشاہ کی عمر چالیس برس کی ہوگئی۔ ایک دن محل میں نماز ادا کر کے، وظیفہ پڑھ رہے تھے۔ آئینہ کی طرف خیال جو کرتے ہیں تو ایک سفید بال موچھوں میں نظر آیا کہ بادشاہ دیکھ کر آبدیدہ ہوئے، اور ٹھنڈی سانس بھری۔ پھر دل میں اپنے سوچ کیا، کہ افسوس! تو نے اتنی عمر ناحق برباد دی اور اس دُنیا کی حرص میں ایک عالم کو زیر و زبر کیا۔ اتنا ملک جو لیا، اب تیرے کس کام آئے گا؟ آخر یہ سارا مال اسباب کوئی دوسرا اُڑا دے گا۔ تجھے تو پیغام موت کا آچکا، اگر کوئی دن جیئے بھی تو بدن کی طاقت کم ہوگی، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ میری تقدیر میں نہیں لکھا کہ وارث تخت کا پیدا ہو۔ آخر ایک روز مرنا ہے اور سب کچھ چھوڑ جانا ہے۔ اِس سے یہی بہتر ہے کہ میں ہی اسے چھوڑ دوں اور باقی زندگی اپنے خالق کی یاد میں کاٹوں۔

یہ بات اپنے دل میں ٹھہرا کر حکم دیا کہ سب دیوان عام میں آیا جایا کریں اور اپنے کام میں مستعد رہیں۔ یہ کہہ کر، آپ ایک مکان میں جا بیٹھے اور عبادت میں مشغول ہوئے۔ سوائے رونے اور آہ بھرنے کے

کچھ کام نہ تھا۔ اِسی طرح بادشاہ آزاد بخت کو کئی دن گزرے، اس بات کا باہر چرچا ہوا، رفتہ رفتہ تمام ملک میں خبر گئی کہ بادشاہ نے بادشاہت سے ہاتھ کھینچ کر گوشہ نشینی اختیار کی۔ چاروں طرف دشمنوں نے سر اُٹھایا اور قدم اپنی حد سے بڑھایا۔ جس نے چاہا ملک دبالیا، ہر ایک صوبے سے بدعملی کی اِطلاع پہنچی۔ درباری اُمراء جتنے تھے جمع ہوئے اور صلاح مصلحت کرنے لگے۔

آخر یہ تجویز ٹھہری، کہ وزیر عاقل اور دانا ہے اور درجے میں بھی سب سے بڑا ہے، اُس کی خدمت میں چلیں، دیکھیں وہ کیا مناسب جان کر کہتا ہے۔ سب امیر، وزیر کے پاس آئے اور کہا، بادشاہ کی یہ صورت اور ملک کی وہ حقیقت، اگر چندے اور تغافل ہوا، تو اس محنت کا مُلک لیا ہوا مفت میں جاتا رہے گا، پھر ہاتھ آنا بہت مشکل ہے۔ وزیر جس کا نام خردمند تھا، بولا اگرچہ بادشاہ نے حضور میں آنے کو منع کیا ہے، لیکن تم چلو میں بھی چلتا ہوں، خدا کرے بادشاہ رو بہ بلائے۔ یہ کہکر، سب کو اپنے ساتھ دیوان عام تک لایا، آپ دیوان خاص میں آیا اور بادشاہ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ غلام حاضر ہے، امیدوار ہوں کہ ایک نظر دیکھ کر، قدمبوسی کروں، تو خاطر جمع ہو۔ یہ عرض، وزیر کی بادشاہ نے سُنی، فرمایا کہ بُلالو، وزیر حضور میں آیا، آداب بجالایا، اور دست بستہ کھڑا رہا۔ دیکھا تو بادشاہ کی عجیب صورت بن رہی ہے، کہ رونے اور دُبلاپے سے آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں اور چہرہ زرد ہو گیا ہے۔

وزیر کو تاب نہ رہی، بے اختیار دوڑ کر قدموں پر جا گرا۔ بادشاہ نے ہاتھ سے سر اُس کا اٹھایا اور فرمایا، لو، مجھے دیکھا، خاطر جمع ہوئی؟ اب جاؤ، زیادہ مجھے نہ ستاؤ تم سلطنت کرو۔ خردمند سُن کر، ڈاڑھ مار کر رویا اور عرض کی، غلام کو آپ کے تصدّق اور سلامتی سے ہمیشہ بادشاہت میسر ہے، لیکن جہاں پناہ کی اِس طرح کی گوشہ گیری سے تمام ملک میں تہلکہ پڑ گیا ہے اور انجام اس کا اچھا نہیں۔ یہ کیا خیال مزاجِ مبارک میں آیا؟ اگر اس خانہ زاد موروثی کو بھی محرم اس راز کا کیجئے تو بہتر ہے۔ غلاموں کو جو یہ سرفرازیاں بخشی ہیں، اسی دن کے واسطے، کہ بادشاہ عیش و آرام کریں اور نمک پسند دے تدبیر میں ملک کی رہیں۔ بادشاہ نے کہا سچ کہتا ہے، پر جو فکر میرے جی کے اندر ہے، سو تدبیر سے باہر ہے۔

سُن اے خردمند میری ساری عمر اِسی ملک گیری کے دردِ سر میں کٹی، اب یہ سن وسال ہوا، آگے موت باقی ہے، سو اس کا بھی پیغام آیا، کہ سیاہ بال سفید ہو چلے۔ وہ مثل ہے، ساری رات سوئے، اب صبح کو نہ جاگیں۔ اب تک ایک بیٹا پیدا نہ ہوا، جو میری خاطر جمع ہوتی۔ اس لئے دل سخت اُداس ہوا اور میں سب کچھ چھوڑ بیٹھا جس کا جی چاہے ملک لے، یا مال لے، مجھے کچھ کام نہیں، بلکہ کوئی دن میں یہ ارادہ رکھتا ہوں، کہ سب چھوڑ چھاڑ کر جنگل اور پہاڑوں کی راہ لوں اور منہ اپنا کسی کو نہ دکھاؤں، اسی طرح یہ چند روز کی زندگی بسر کروں۔ اگر کوئی مکان خوش آیا، تو وہاں بیٹھ کر بندگی اپنے معبود کی بجا لاؤں گا۔ دُنیا کو تو خواب

دیکھا، کچھ مزہ نہ پایا۔ اِتنی بات بول کر اور ایک آہ بھر کر، بادشاہ چپ ہوئے۔

خردمند اُن کے باپ کا وزیر تھا، جب یہ شہزادے تھے، تب سے محبت رکھتا تھا، دانا اور نیک اندیش تھا۔ کہنے لگا، خدا کی جناب سے نااُمید ہونا ہرگز مناسب نہیں، قبلۂ عالم! اس تصورِ باطل کو دل سے دور کرو۔ نہیں تو تمام عالم درہم برہم ہو جائے گا اور یہ سلطنت کِس کِس محنت اور مشقت سے تمہارے بزرگوں نے اور تم نے پیدا کی ہے؟ بے خبری سے ملک ویران ہو جائے گا۔ خدانخواستہ بدنامی حاصل ہوگی۔ اس پر بھی بازپرس قیامت کے روز ہوگی، کہ تجھے بادشاہ بنا کر، اپنے بندوں کو تیرے حوالے کیا تھا، تو ہماری رحمت سے مایوس ہوا اور رعیت کو حیران پریشان کیا اس سوال کا کیا جواب دوگے؟ پس عبادت بھی اُس روز کام نہ آئے گی، اس واسطے کہ آدمی کا دل خدا کا گھر ہے، اور بادشاہ فقط عدل کے واسطے پوچھے جائیں گے۔ غلام کی بے ادبی معاف ہو، گھر سے نکل جانا اور جنگل جنگل پھرنا جوگیوں کا کام ہے، نہ کہ بادشاہوں کا۔ خدا کی یاد اور بندگی جنگل پہاڑ پر موقوف نہیں، آپ نے یہ بیت سُنی ہوگی ؎

خدا اِس پاس، یہ ڈھونڈھی جنگل میں ڈھنڈھورا شہر میں، لڑکا بغل میں

اگر انصاف فرمائیے اور اس فدوی کی عرض قبول کیجئے تو بہتر یوں ہے، کہ جہاں پناہ ہر دم اور ہر ساعت دھیان اپنا خدا کی طرف

لگاکر، دعا مانگا کریں۔ اُس کی درگاہ سے کوئی محروم نہیں رہا۔ دن کو بندوبست ملک کا اور انصاف، عدالت غریب، غربا، کی فرمائیں اور رات کو عبادت کریں اور درود پیمبر کی روح پاک کو نیاز کر کر، درویش، گوشہ نشین، متوکلوں سے مدد لیجئے اور روز راتب یتیم، اسیر، عیال داروں، محتاجوں اور بیواؤں کو کر دیجئے۔ اچھے کاموں کی برکت سے، خدا چاہے تو تمہارے دل کے مقصد اور مطلب سب پورے ہوں، وہ ایک دم میں جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ خردمند وزیر کی ایسی باتوں سے بادشاہ آزاد بخت کے دل کو ڈھارس بندھی، فرمایا، اچھا تو جو کہتا ہے بھلا یہ بھی کر دیکھیں۔

جب بادشاہ کے دل کو تسلی ہوئی، تب وزیر سے پوچھا کہ اور سب امیر کیا کرتے ہیں اور کس طرح ہیں؟ اُس نے عرض کی، کہ سب ارکان دولت قبلۂ عالم کے جان و مال کو دعا کرتے ہیں۔ آپ کی فکر سے سب حیران و پریشان ہو رہے ہیں۔ جمالِ مبارک اپنا دکھائیے تو سب کی خاطر جمع ہو۔ چنانچہ اس وقت دیوان عام میں حاضر ہیں۔ یہ سُن کر بادشاہ نے حکم دیا۔ انشاء اللہ تعالیٰ کل دربار کروں گا، سب کو کہہ دو حاضر رہیں۔ خردمند خوشی خوشی باہر نکلا اور یہ خوش خبری امیروں سے کہی۔ سب امیر بھی خوشی خوشی گھر کو گئے سارے شہر میں آنند ہو گئی۔ رعیت پرجا مگن ہوئی، کہ کل بادشاہ دربارِ عام کرے گا۔ صبح کو سب چھوٹے بڑے آکر کھڑے ہوئے

اور منتظر جلوۂ بادشاہی کے تھے۔

جب پہر دِن چڑھا پردہ اُٹھا اور بادشاہ نے برآمد ہو کر تخت پر جلوس فرمایا۔ نوبت خانے میں شادیانے بجنے لگے۔ سبھوں نے نذریں مبارکبادی کی گزرانیں۔ ہر ایک کو سرفرازی ہوئی۔ سب کے دل کو خوشی اور چین ہوا۔ جب دو پہر ہوئی دربار برخاست کر کے اندرونِ محل داخل ہوئے۔ اُس دن سے بادشاہ نے یہی مقرر کیا، کہ ہمیشہ صبح کو دربار کرنا اور تیسرے پہر کتاب کا شغل یا ورد وظیفہ پڑھنا اور خدا کی درگاہ میں توبہ کر کے، اپنے مطلب کی دعا مانگنی۔

ایک روز کتاب میں یہ لکھا دیکھا کہ اگر کسی شخص کو غم یا فکر ایسی ہو، کہ اس کا علاج تدبیر سے نہ ہو سکے۔ تو چاہئے کہ تقدیر کے حوالے کرے اور آپ گورستان کی طرف رجوع کرے اور اپنے تئیں نیست و نابود سمجھ کر، دل کو اس غفلت دُنیوی سے ہشیار رکھے اور عبرت سے روئے اور خدا کی قدرت کو دیکھے، کہ مجھ سے آگے کیسے کیسے صاحبِ ملک و خزانہ اِس زمین پر پیدا ہوئے؟ لیکن آسمان نے سب کو اپنی گردش میں لا کر خاک میں ملا دیا۔ یہ نصیحت جب کتاب میں مطالعہ کی، بادشاہ کو خردمند وزیر کا کہنا یاد آیا اور دونوں کو مطابق پایا۔ یہ شوق ہوا کہ اس پر عمل کروں لیکن، سوار ہو کر اور بھیڑ بھاڑ کو لے کر، بادشاہوں کی طرح سے جانا مناسب نہیں، بہتر یہ ہے کہ لباس بدل کر رات کو اکیلے مقبروں میں یا کسی گوشہ نشین

مردِ خدا کی خدمت میں جایا کروں اور شب بیدار رہوں، شاید ان کے وسیلے سے دنیا کی مراد اور عاقبت کی نجات میسّر ہو۔

یہ بات دل میں مقرّر کر کے ایک روز رات کو موٹے جھوٹے کپڑے پہن کر کچھ اشرفی روپے لے کر، چپکے قلعے سے باہر نکلے اور میدان کی راہ لی، جاتے جاتے ایک گورستان میں پہنچے، نہایت سچّے دل سے دُرود پڑھ رہے تھے، اس وقت تیز ہوا چل رہی تھی ایکبارگی بادشاہ کو دُور سے ایک شعلہ سا نظر آیا، دل میں اپنے خیال کیا کہ اس آندھی اور اندھیرے میں یہ روشنی خالی حکمت سے نہیں۔ چل کر دیکھا چاہیئے شاید اِس شمع کے نور سے میرے بھی گھر کا چراغ روشن ہو اور دل کی مراد ملے۔ یہ نیت کر کے اس طرف کو چلے جب نزدیک پہنچے، دیکھا تو چار فقیر کفنیاں گلے میں ڈالے اور سر زانو پر دھرے خاموش بیٹھے ہیں اور اُن کا یہ عالم ہے جیسے کوئی مسافر اپنے ملک اور قوم سے بچھڑ کر، بے کسی اور مفلسی کے رنج و غم میں گرفتار ہو کر حیران رہ جاتا ہے۔ اسی طرح سے یہ چاروں نقشِ دیوار ہو رہے ہیں اور ایک چراغ پتھر پر دھرا ٹمٹما رہا ہے، ہرگز ہوا اُس کو نہیں لگتی۔

آزاد بخت کو دیکھتے ہی یقین آیا کہ تیری آرزو اِن مردانِ خدا کے قدم کی برکت سے بر آئے گی اور تیری اُمید کا سوکھا درخت اِن کی توجہ سے ہرا ہو کر پھلے گا۔ ان کی خدمت میں چل کر اپنا احوال

کہہ اور مجلس کا شریک ہو، شاید تجھ پر رحم کھا کر دعا کریں جو قبول ہو
یہ ارادہ کرکے چاہا کہ قدم آگے دھرے۔ وہیں عقل نے سمجھایا کہ
اے بے وقوف جلدی نہ کر، ذرا دیکھ لے۔ تجھے کیا معلوم ہے کہ
یہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ اور کدھر جاتے ہیں؟ جلدی
کرنا اور ان کے درمیان جاکر مخل ہونا خوب نہیں۔ ابھی ایک گوشے
میں چھپ کر حقیقت اِن فقیروں کی جاننا چاہیئے۔ آخر بادشاہ نے
یہی کیا کہ ایک کونے میں اُس مکان کے چپکا جا بیٹھا کہ کسی کو اُس کے
آنے کی خبر نہ ہوئی۔ اپنا دھیان ان کی طرف لگایا کہ دیکھئے آپس
میں کیا بات چیت کرتے ہیں۔ اتفاقاً ایک فقیر کو چھینک آئی۔ شکر
خدا کا کیا، تینوں قلندر اُس کی آواز سے چونک پڑے، چراغ کو اُکسایا،
اپنے اپنے بستروں پر حقّے بھر کر پینے لگے۔ ایک اُن آزادوں میں
سے بولا، اے یارانِ ہمدرد! ہم چار صورتیں آسمان کی گردش سے
اور لیل ونہار کے انقلاب سے در بدر خاک بہ سر ایک مدّت پھریں
الحمدللہ کہ طالع کی مدد اور قسمت کی یاوری سے آج اس مقام پر
باہم ملاقات ہوئی اور کل کا احوال کچھ معلوم نہیں کہ کیا پیش آئے۔
رات بڑی پہاڑ ہوتی ہے، ابھی سے پڑ پڑ رہنا خوب نہیں، اِس سے
یہ بہتر ہے کہ اپنی اپنی سرگزشت جو اس دُنیا میں جس پر بیتی ہو (بشرطیکہ
جھوٹ اس میں کوڑی بھر نہ ہو) بیان کرے، تو باتوں میں رات
کٹ جائے۔ جب تھوڑی شب باقی رہے تب لوٹ پوٹ رہیں گے

سبھوں نے کہا جو کچھ ارشاد ہوتا ہے ہم نے قبول کیا۔ پہلے آپ ہی اپنا احوال جو دیکھا ہے شروع کیجیے' تو ہم فائدہ اُٹھائیں۔

پہلے درویش کی سیر

پہلا درویش دو زانو ہو بیٹھا اور اپنی سیر کا قصہ اس طرح سے کہنے لگا۔ ذرا ادھر متوجہ ہو، اور ماجرا اس بے سروپا کا سنو۔

یہ سرگذشت میری ذرا کان دھر سنو — مجھ کو، فلک نے کردیا زیر و زبر سنو
جو کچھ کہ پیش آئی ہے شدت مری تئیں — اُس کا بیان کرتا ہوں، تم سر بسر سنو

اے دوستو! میری پیدائش اور وطن بزرگوں کا ملکِ یمن ہے۔ والد اس عاجز کا ملک التجار خواجہ احمد نام بڑا سوداگر تھا۔ اس وقت میں کوئی مہاجن یا بیپاری اُن کے برابر نہ تھا۔ اکثر شہروں میں کوٹھیاں اور گماشتے خرید و فروخت کے واسطے مقرر تھے اور لاکھوں روپے نقد اور جنس ملک ملک کی گھر میں موجود تھی۔ اُن کے یہاں دو لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک تو یہی فقیر جو کفنی سیلی پہنے ہوئے مرشدوں کے حضوری میں حاضر اور بولتا ہے۔ دوسری ایک بہن جس کو قبلہ گاہ نے اپنے جیتے جی شہر کے سوداگر بچے سے شادی کردی تھی۔ وہ اپنی سسرال میں رہتی تھی۔ غرض جس کے گھر میں اتنی دولت اور ایک لڑکا ہو، اُس کے لاڈ پیار کا کیا ٹھکانا ہے! مجھ فقیر نے بڑے چاؤ سے ماں باپ کے سائے میں پرورش پائی اور پڑھنا لکھنا سیاہ گری کا کسب و فن سوداگری کا بہی کھاتہ، روزنامہ، سیکھنے لگا۔ چودہ برس تک نہایت

خوشی اور بے فکری میں گزرے۔ کچھ دنیا کا اندیشہ دل میں نہ آیا۔ یک بہ یک ایک ہی سال میں والدین مر گئے۔

عجب طرح کا غم ہوا، جس کا بیان نہیں کرسکتا۔ کوئی سر پر بوڑھا بڑا نہ رہا۔ اس مصیبتِ ناگہانی سے رات دن رویا کرتا، کھانا پینا سب چھوٹ گیا۔ چالیس دن جوں توں کر کٹے، چہلم میں اپنے بیگانے چھوٹے بڑے جمع ہوئے۔ جب فاتحہ سے فراغت ہوئی، سب نے فقیر کو باپ کی پگڑی بندھوائی اور سمجھایا۔ دنیا میں سب کے ماں باپ مرتے آئے ہیں اور ہمیں بھی ایک روز مرنا ہے۔ پس صبر کرو، اپنے گھر کو دیکھو، اب باپ کی جگہ تم سردار ہوئے، اپنے کاروبار لین دین سے ہوشیار رہو۔ تسلی دے کر رخصت ہوئے۔ گماشتے، کاروباری، نوکر چاکر جتنے تھے حاضر ہوئے، نذریں دیں اور بولے، کوٹھی نقد وجنس کی اپنی نظرِ مبارک سے دیکھ لیجئے۔ ایکبارگی جو یہ دولت بے انتہا نظر پڑی، آنکھیں کھل گئیں۔ دیوان خانے کی تیاری کو حکم کیا۔ فراشوں نے فرش فروش بچھا کر چھت، پردے، چلونیں، تکلف کی لگادیں اور اچھے اچھے خدمتگار، نوکر رکھے۔ سرکار سے زرق برق کی پوشاکیں بنوادیں، فقیر مسند پر تکیہ لگا کر بیٹھا۔ مفت پر کھانے پینے والے جھوٹے خوشامدی آکر آشنا ہوئے اور مصاحب بنے۔ اُن سے آٹھ پہر صحبت رہنے لگی۔ ہر کہیں کی باتیں واہی تباہی اِدھر اُدھر کی کرتے، اور کہتے اس جوانی کے عالم میں شراب پیجئے اور عیش کیجئے۔

ہر دم کے کہنے سننے سے میرا مزاج بھی بہک گیا۔ شراب، ناچ اور جوئے کا چرچا شروع ہوا۔ پھر تو یہ نوبت پہنچی کہ سوداگری بھول کر تماش بینی کا اور دینے لینے کا سودا ہوا نوکر اور رفیقوں نے جب یہ غفلت دیکھی جو جس کے ہاتھ پڑا الگ کیا گویا لوٹ مچادی۔ کچھ خبر نہ تھی کتنا روپیہ خرچ ہوتا ہے، کہاں سے آتا اور کِدھر جاتا ہے؟ مالِ مفت دلِ بے رحم، اگر گنج قارون کا ہوتا تو بھی وفا نہ کرتا۔ کئی برس کے عرصے میں یہ حالت ہوئی کہ فقط ٹوپی اور لنگوٹی باقی رہی۔ دوست آشنا کافور ہوگئے۔ اگر کہیں ملاقات ہوجاتی تو آنکھیں چُرا کر منہ پھیر لیتے اور نوکر، چاکر، خدمتگار، سب چھوڑ کر کنارے لگے۔ کوئی بات کا پوچھنے والا نہ رہا جو کہے یہ کیا تمہارا حال ہوا؟ سوائے غم اور افسوس کے کوئی رفیق نہ ٹھہرا۔

اب دمڑی کی ٹھڈیاں میسّر نہیں جو چبا کر پانی پیوں۔ دو تین فاقے کھینچے، تاب بھوک کی نہ لاسکا۔ لاچار بے حیائی کا برقعہ منہ پر ڈال کر یہ قصد کیا، کہ بہن کے پاس چلیئے۔ لیکن یہ شرم دل میں آتی تھی کہ قبلہ گاہ کی وفات کے بعد نہ بہن سے کچھ سلوک کیا، نہ خالی خط لکھا، بلکہ اس نے دو ایک خط ماتم پرسی اور اشتیاق کے جو لکھے، ان کا جواب نہ بھیجا۔ اِس شرمندگی سے جی تو نہ چاہتا تھا، پر سوائے اس گھر کے اور کوئی ٹھکانا نظر میں نہ ٹھہرا۔ جوں توں پا پیادہ خالی ہاتھ گرتا پڑتا ہزار محنت سے وہ کئی منزلیں کاٹ کر ہمشیر کے شہر میں جاکر اس کے مکان پر

پہنچا۔ وہ ماں جائی میرا یہ حال دیکھ کر بلائیں لی اور گلے مل کر بہت روئی۔ کہنے لگی "اگرچہ ملاقات سے دل بہت خوش ہوا، لیکن بھیّا، تیری یہ کیا صورت بنی؟" اُس کا جواب میں کچھ نہ دے سکا۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا کر رُچکا ہو رہا۔ بہن نے جلدی پوشاک سِلوا کر حمّام میں بھیجا۔ نہا دھو کر وہ کپڑے پہنے۔ ایک مکان اپنے پاس بہت اچھا تکلف کا میرے رہنے کو مقرر کیا۔ سب طرح کی خاطرداری کرتی۔ میں نے جو یہ آرام پایا۔ خدا کی درگاہ میں ہزار ہزار شکر بجا لایا۔ کئی مہینے اس فراغت سے گزرے کہ پاؤں اس خلوت سے باہر نہ رکھا۔

ایک دن وہ بہن جو بجائے والدہ کے میری خاطر رکھتی تھی کہنے لگی تو میری آنکھوں کی پتلی اور ماں باپ کی نشانی ہے۔ تیرے آنے سے میرا کلیجا ٹھنڈا ہوا۔ جب تجھے دیکھتی ہوں باغ باغ ہوتی ہوں۔ تو نے مجھے نہال کیا، لیکن مردوں کو خدا نے کمانے کے لئے بنایا ہے۔ گھر میں بیٹھے رہنا اُن کو لازم نہیں، خصوصاً اِس شہر کے آدمی چھوٹے بڑے تمہارے بے سبب رہنے پر کہیں گے، اپنے باپ کی دولت دنیا کھو کھا کر بہنوئی کے ٹکڑوں پر آپڑا۔ یہ نہایت بے غیرتی اور میری تمہاری ہنسائی اور ماں باپ کے نام کو بٹّہ لگنے کا سبب ہے، نہیں تو میں اپنے چمڑے کی جوتیاں بنا کر تجھے پہناؤں اور کلیجے میں ڈال رکھوں۔ اب یہ صلاح ہے، کہ سفر کا قصد کرو۔ خدا چاہے تو دِن پھریں اور اس حیرانی اور مفلسی کے بدلے خوشی حاصل ہو۔ یہ بات سُن کر مجھے

بھی غیرت آئی۔ اُس کی نصیحت پسند کی۔ جواب دیا، اچھّا اب تم ماں کی جگہ ہو، جو کہو سو کروں۔ یہ میری مرضی پاکر پچاس توڑے اشرفی کے میرے آگے لا رکھے اور بولی ایک قافلہ سوداگروں کا دمشق کو جاتا ہے تم اِن روپیوں سے جنس تجارت کی خرید کرو۔ ایک تاجر ایماندار کے حوالے کرکے، دستاویز پکّی لکھوالو، اور آپ بھی قصد دمشق کا کرو وہاں جب خیریت سے جا پہنچو، اپنا مال مع منافع سمجھ بوجھ لینا یا خود بیچو۔ میں وہ نقدے کر بازار میں گیا، اسباب سوداگری کا خرید کر ایک بڑے سوداگر کے سپرد کیا۔ نوشت و خواند سے خاطر جمع کرلی۔ وہ تاجر دریا کی راہ سے جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہوا۔ فقیر نے خشکی کی راہ چلنے کی تیاری کی۔ جب رخصت ہونے لگا، بہن نے امام ضامن کا روپیہ میرے بازو پر باندھا، دہی کا ٹیکا ماتھے پر لگا کر آنسو پی کر بولی، سدھارو! تمہیں خدا کو سونپا، پیٹھ دکھائے جاتے ہو، اِسی طرح جلد اپنا منہ دکھانا۔ میں نے فاتحہ خیر کی پڑھ کر کہا، تمہارا بھی اللہ حافظ ہے۔ وہاں سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوا اور خدا کے توکل پر بھروسا کر کے دو منزل کی ایک منزل کرتا ہوا دمشق کے پاس جا پہنچا۔

غرض جب شہر کے دروازے پر گیا۔ بہت رات جا چکی تھی دربان اور نگاہ بانوں نے دروازہ بند کیا تھا۔ میں نے بہت منت کی کہ مسافر ہوں دُور سے آتا ہوں، اگر کواڑ کھول دو شہر میں جا کر آرام پاؤں۔ اندر سے بولے۔ اِس وقت دروازہ کھولنے کا حکم نہیں، کیوں اتنی رات گئے تم

آئے ؟ جب میں نے جواب صاف اُن سے سُنا، شہر پناہ کی دیوار کے تلے گھوڑے پر سے اُتر زین پوش بچھا کر بیٹھا۔ جاگنے کی خاطر اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ جس وقت آدھی رات ادھر اور آدھی رات اُدھر ہوئی سنسان ہوگیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک صندوق قلعے کی دیوار پر سے نیچے چلا آتا ہے۔ یہ دیکھ کر میں اچنبھے میں ہوا کہ یہ کیا طلسم ہے ؟ شاید خدا نے میری حیرانی و سرگردانی پر رحم کھا کر خزانہ غیب سے عنایت کیا۔ جب وہ صندوق زمین پر ٹھہرا ڈرتے ڈرتے میں پاس گیا، دیکھا تو کاٹھ کا صندوق ہے۔ لالچ سے اُسے کھولا، ایک خوب صورت عورت گھائل لہو میں تربتر، آنکھیں بند کئے پڑی کُلبُلاتی ہے، آہستہ آہستہ ہونٹھ ہلتے ہیں اور یہ آواز منہ سے نکلتی ہے، اے کم بختِ بے وفا ! اے ظالم پرجفا! بدلہ اس بھلائی اور محبت کا یہی تھا جو تو نے کیا ؟ بھلا ایک زخم اور بھی لگا، میں نے اپنا تیرا انصاف خدا کو سونپا۔

فقیر اُس کو دیکھ کر اور یہ بات سُن کر سُن ہوا، جی میں آیا، کسی بے حیا ظالم نے کیوں ایسے نازنین کو زخمی کیا۔ کیا اُس کے دل میں آیا؟ اور ہاتھ اس پر کیونکر چلایا ؟ اِس کے دل میں تو محبت اب تک باقی ہے۔ جو اِس حالت میں اُس کو یاد کرتی ہے۔ مَیں آپ ہی آپ یہ کہہ رہا تھا، آواز اُس کے کان میں گئی۔ مجھ کو دیکھا۔ جس وقت اُس کی نگاہیں میری نظروں سے لڑیں، جرأت کرکے پوچھا، سچ کہو تم کون ہو اور یہ کیا ماجرا ہے ؟ اگر بیان کرو تو میرے دل کو تسلی ہو، یہ سُن کر اگرچہ طاقت

بولنے کی نہ تھی آہستہ سے کہا شکر ہے۔ میری حالت زخموں کے مارے یہ کچھ ہو رہی ہے۔ کیا خاک بولوں؟ کوئی دم کی مہمان ہوں۔ جب میری جان نکل جائے تو خدا کے واسطے جواں مردی کر کے مجھ بدبخت کو اسی صندوق میں کسی جگہ گاڑ دینا۔ تو میں بھلے بُرے کی زبان سے نجات پاؤں اور تو داخل ثواب ہو۔ اتنا بول کر چپ ہوئی۔

رات کو مجھ سے کچھ تدبیر نہ ہو سکی، وہ صندوق اپنے پاس اُٹھا لایا اور گھڑیاں گننے لگا کہ کب رات تمام ہو تو فجر کو شہر میں جا کر جو کچھ اس کا علاج ہو سکے کروں۔ وہ تھوڑی سی رات ایسی پہاڑ ہو گئی کہ دل گھبرا گیا۔ بارے خدا خدا کر صبح جب نزدیک ہوئی، مرغ بولا، آدمیوں کی آواز آنے لگی۔ میں نے فجر کی نماز پڑھ کر صندوق کو خورجی میں کسا۔ جونہیں دروازہ شہر کا کھلا، میں شہر میں داخل ہوا ہر ایک آدمی اور دکان دار سے حویلی کرائے کی تلاش کرنے لگا۔ ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے ایک مکان خوش قطع نیا بھاڑے لے کر جا اترا۔ پہلے اس معشوق کو صندوق سے نکال کر روئی کے پہلوں پر ملائم بچھونا کر کے ایک گوشے میں لٹایا اور آدمی اعتباری وہاں چھوڑ کر فقیر جرّاح کی تلاش میں نکلا۔ ہر ایک سے پوچھتا پھرتا تھا کہ اس شہر میں جرّاح کاریگر کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟ ایک شخص نے کہا، ایک حجّام جرّاحی اور حکیمی کے فن میں پکّا ہے، اگر مُردے کو اُس کے پاس لے جاؤ۔ خدا کے حکم سے ایسی تدبیر کرے کہ ایک بار وہ بھی جی اُٹھے۔ وہ اس

محلے میں رہتا ہے، اور عیسیٰ نام ہے۔

میں یہ مژدہ سُن کر بے اختیار چلا۔ تلاش کرتے کرتے اُس کے دروازے پر پہنچا۔ ایک مرد سفید ریش کو دہلیز پر بیٹھا دیکھا اور کئی آدمی مرہم کی تیاری کے لئے کچھ پیس پاس رہے تھے۔ فقیر نے مارے خوشامد کے ادب سے سلام کیا اور کہا، میں تمہارا نام اور خوبیاں سُن کر آیا ہوں ماجرا یہ ہے کہ میں اپنے مُلک سے تجارت کے لئے چلا، بیوی کو بہ سبب محبت ساتھ لیا، جب نزدیک اس شہر کے آیا، تھوڑی سی دور رہا تھا کہ شام پڑ گئی۔ اَن دیکھے ملک میں رات کو چلنا مناسب نہ جانا، میدان میں ایک درخت کے تلے اتر پڑا۔ پچھلے پہر ڈاکا آیا، جو کچھ مال اسباب پایا لوٹ لیا۔ گہنے کے لالچ سے اِس بی بی کو بھی گھائل کیا۔ مجھ سے کچھ نہ ہوسکا۔ رات جو باقی تھی جوں توں کاٹی۔ فجر ہی شہر میں آن کر ایک مکان کرائے لیا۔ اُن کو وہاں رکھ کر میں تمہارے پاس دوڑا آیا ہوں۔ خدا نے تمہیں یہ کمال دیا ہے اس مسافر پر مہربانی کرو۔ غریب خانے تشریف لے چلو، اس کو دیکھو۔ عیسیٰ جراح بہت رحم دل اور خدا پرست تھا۔ میری غریبی کی باتوں پر ترس کھا کر میرے ساتھ اُس حویلی تک آیا۔ زخموں کو دیکھتے ہی میری تسلّی کی، بولا کہ خدا کے کرم سے اس بی بی کے زخم چالیس دن میں بھر آئیں گے۔ غسل شفا کا کرا دوں گا۔

غرض اُس مردِ خدا نے سب زخموں کو نیم کے پانی سے دھو دھا کر صاف کیا۔ جو لائق ٹانکوں کے پائے اُنھیں سیا۔ کتنوں میں پٹی رکھی،

اور کتنوں پر پھائے چڑھا کر پٹی سے باندھ دیا اور نہایت شفقت سے کہا، میں دونوں وقت آیا کروں گا، تو خبردار رہنا ایسی حرکت نہ کرے جو ٹانکے ٹوٹ جائیں۔ مُرغ کا شوربا بجائے غذا اس کے حلق میں چواؤ اور اکثر عرق بید مشک گلاب کے ساتھ دیا کرو جو قوت رہے یہ کہہ کر رخصت چاہی۔ میں نے بہت منت کی اور ہاتھ جوڑ کر کہا، تمہاری تشفی سے میری بھی زندگی ہوئی، نہیں تو سوائے مرنے کے کچھ سوجھتا نہ تھا خدا تمہیں سلامت رکھے۔ عطر پان دے کر رخصت کیا، میں رات دن خدمت میں اُس پری کے حاضر رہتا، آرام اپنے اوپر حرام کیا۔ خدا کی درگاہ سے روز روز اُس کے چنگے ہونے کی دعا مانگتا۔

اتفاقاً وہ سوداگر بھی آپہونچا اور میرا مال امانت میرے حوالے کیا۔ میں نے اُسے اَونے پَونے بیچ ڈالا اور دارو درمن میں خرچ کرنے لگا۔ وہ مرد جرّاح ہمیشہ آتا جاتا، تھوڑے عرصے میں سب زخم بھر کر انگور کر لائے۔ بعد کئی دن کے غسل شفا کا کیا، عجب طرح کی خوشی حاصل ہوئی۔ خلعت اور اشرفیاں عیسیٰ حجام کے آگے دھریں اور اُس پری کو مکلّف فرش بچھا کر مسند پر بٹھایا فقیروں اور غریبوں کو بہت سی خیر خیرات کی، اس دن گویا بادشاہت ہفت اقلیم کی اس فقیر کے ہاتھ لگی، اور اس پری کا شفا پانے سے ایسا رنگ نکھرا کہ مکھڑا سورج کے مانند چمکنے اور کندن کی طرح دمکنے لگا۔ نظر کی مجال نہ تھی جو اس کے جمال پر ٹھہرے فقیر بہ سروچشم اُس کے حکم میں حاضر رہتا، جو فرماتی سو بجا لاتا۔ وہ اپنے

حُسن کے غرور اور سرداری کے دماغ میں جو میری طرف کبھی دیکھتی تو فرماتی، خبردار! اگر تجھے ہماری خاطر منظور ہے تو ہرگز ہماری بات میں دم نہ مار، جو ہم کہیں سو بلا عذر کئے جا، اپنا کسی بات میں دخل نہ کر، نہیں تو پچھتائے گا۔ اُس کی وضع سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ حق میری خدمت گزاری اور فرماں برداری کا اُسے البتہ منظور ہے۔ فقیر بھی اس کی بے مرضی ایک کام نہ کرتا، اُس کا فرمانا بہ سروچشم بجالاتا۔

ایک مدت اِسی راز و نیاز میں کٹی، جو اُس نے فرمائش کی میں نے لاکر حاضر کی۔ اِس فقیر کے پاس جو کچھ جنس اور نقد اصل و نفع کا تھا، سب صرف ہوا۔ اس بیگانے ملک میں کون اعتبار کرے جو قرض سے کام چلے؟ آخر تکلیف روزمرے کے خرچ کی ہونے لگی، اِس سے دل بہت گھبرایا، فکر سے دُبلا ہوتا چلا، لیکن کس سے کہوں؟ جو کچھ دل پر گذری سو گذری۔ ایک دن اس پری نے اپنے شعور سے دریافت کرکے کہا، "اے فلانے! تیری خدمتوں کا حق ہمارے جی میں نقش ہے، پر اُس کا عوض بالفعل ہم سے نہیں ہو سکتا۔ اگر ضروری خرچ کے واسطے کچھ درکار ہو تو اپنے دل میں اندیشہ نہ کر، ایک ٹکڑا کاغذ اور دوات قلم حاضر کر۔ میں نے تب معلوم کیا کسی ملک کی پادشاہزادی ہے جو اس دل و دماغ سے گفتگو کرتی ہے۔ فوراً قلمدان آگے رکھ دیا، اس نازنین نے ایک چٹھی دستخطِ خاص سے لکھ کر میرے حوالے کی اور کہا، قلعے کے پاس ترپولیا ہے۔ وہاں اُس کوچے میں حویلی بڑی سی ہے، اُس مکان کے

مالک کا نام سیّدی بہار ہے۔ تو جا کر اس رقعے کو اُس تک پہنچا دے۔"

فقیر اُسی نام و نشان پر منزلِ مقصود تک جا پہنچا۔ دربان کی زبانی کیفیت خط کی کہلا بھیجی۔ سنتے ہی ایک حبشی جوان خوبصورت باہر نکل آیا۔ میرے ہاتھ سے خط لے لیا، نہ بولا نہ کچھ پوچھا۔ انھیں قدموں پھر اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں گیارہ کشتیاں غلاموں کے سر پر دھرے باہر آیا۔ کہا اِس جوان کے ساتھ جا کر پہنچا دو۔ میں بھی سلام کر رخصت ہوا اپنے مکان میں لایا آدمیوں کو دروازے کے باہر سے رخصت کیا۔ وہ کشتیاں امانت حضور میں اُس پری کے گذرانیں۔ دیکھ کر فرمایا، یہ گیارہ بدرے اشرفیوں کے لے اور خرچ میں لا، خدا رزّاق ہے۔ فقیر اِس نقد کو لیکر ضروریات میں خرچ کرنے لگا۔ اگرچہ خاطر جمع ہوئی پر دل میں یہ خلش رہی یا الٰہی! یہ کیا صورت ہے؟ بغیر پوچھے گچھے اتنا مال ناآشنا صورت اجنبی نے ایک پُرزے کاغذ پر میرے حوالے کیا۔ اگر اُس پری سے یہ بھید پوچھوں، تو اُس نے پہلے ہی منع کر رکھا تھا۔ مارے ڈر کے دم نہ مار سکتا تھا۔

بعد آٹھ دن کے وہ معشوقہ مجھ سے مخاطب ہوئی کہ "حق تعالیٰ نے آدمی کو انسانیت کا جامہ عنایت کیا ہے کہ نہ پھٹے نہ میلا ہو، اگرچہ پُرانے کپڑے سے اُس کی آدمیت میں فرق نہیں آتا، پر ظاہر میں خلق اللہ کی نظروں میں اعتبار نہیں پاتا۔ دو توڑے اشرفی کے ساتھ لے کر چوک کے چوراہے پر یوسف سوداگر کی دوکان میں جا اور کچھ جواہر

بیش قیمت اور دو خلعتیں زرق برق کی مول لے آ۔" فقیر سوار ہو کر اُس کی دوکان پر گیا۔ دیکھا تو ایک جوان شکیل زعفرانی جوڑا پہنے گدّی پر بیٹھا ہے۔ اور اُس کا یہ عالم ہے کہ ایک عالم دیکھنے کے لئے دکان سے بازار تک کھڑا ہے۔ فقیر کمال شوق سے نزدیک جا کر سلام علیک کر کے بیٹھا اور جو جو چیز مطلوب تھی طلب کی۔ میری بات چیت اُس شہر کے باشندوں کی سی نہ تھی۔ اُس جوان نے گرم جوشی سے کہا، جو صاحب کو چاہیئے سب موجود ہے، لیکن یہ فرمائیے کس ملک سے آنا ہوا؟ اور اس اجنبی شہر میں رہنے کا کیا باعث ہے؟ اگر اِس حقیقت سے مطلع کیجئے تو مہربانی سے بعید نہیں، مجھے اپنا احوال کہنا منظور نہ تھا۔ کچھ بات بنا کر اور جواہر پوشاک لیکر اور قیمت اس کی دے کر رخصت چاہی اُس جوان نے روکھے پھیکے ہو کر کہا، اے صاحب! اگر تم کو ایسی ہی ناآشنائی کرنی تھی، تو پہلے دوستی اتنی گرمی سے کرنی کیا ضرور تھی؟ بھلے آدمیوں میں صاحب سلامت کا پاس بڑا ہوتا ہے۔ یہ بات اِس مزے اور انداز سے کہی بے اختیار دل کو بھائی اور بے مروّت ہو کر وہاں سے اٹھنا انسانیت کے مناسب نہ جانا۔ اُس کی خاطر پھر بیٹھا اور بولا، تمہارا فرمانا سر آنکھوں پر، میں حاضر ہوں۔

اتنا کہنے سے بہت خوش ہوا، ہنس کر کہنے لگا، اگر آج کے دن غریب خانے میں کرم کیجئے تو تمہاری بدولت مجلس خوشی کی جما کر دو چار گھڑی دل بہلائیں اور کچھ کھانے پینے کا شغل باہم بیٹھ کر کریں۔ فقیر نے

اس پری کو کبھی اکیلا نہ چھوڑا تھا، اس کی تنہائی یاد کر کے عذر کئے، پر اس جوان نے ہرگز نہ مانا۔ آخر وعدہ اُن چیزوں کو پہنچا کر میرے پھر آنے کا لیکر اور قسم کھلا کر رخصت دی۔ میں دکان سے اُٹھ کر جواہر اور خلعتیں اُس پری کی خدمت میں لایا۔ اُس نے قیمت جواہر کی اور حقیقت جوہری کی پوچھی۔ میں نے سارا حال مول تول کا اور مہمانی کا کہہ سنایا فرمانے لگی آدمی کو اپنا قول قرار پورا کرنا واجب ہے، ہمیں خدا کی نگہبانی میں چھوڑ کر اپنے وعدے کو پورا کر، ضیافت قبول کرنی سنت رسول کی ہے۔

تب میں نے کہا، میرا دل نہیں چاہتا کہ تمہیں اکیلا چھوڑ کر جاؤں، جب حکم یوں ہوتا ہے، لاچار جاتا ہوں، جب تک آؤں گا دل یہیں لگا رہیگا۔ یہ کہہ کر پھر اس جوہری کی دکان پر گیا، وہ میرا انتظار کھینچ رہا تھا، دیکھتے ہی بولا آؤ مہربان، بڑی راہ دکھائی۔"

وہیں اُٹھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور چلا، جاتے جاتے ایک باغ میں لے گیا وہ بڑی بہار کا باغ تھا، حوض اور نہروں میں فوارے چھوٹتے تھے، میوے طرح طرح کے پھل رہے تھے، ہر ایک درخت مارے بوجھ کے جھوم رہا تھا۔ رنگ برنگ کے جانور اُن پر بیٹھے چہچہے کر رہے تھے اور ہر مکان میں فرش ستھرا بچھا تھا۔ وہاں لبِ نہر ایک بنگلے میں جا کر بیٹھا۔ ایک دم کے بعد آپ اُٹھ کر چلا گیا، پھر دوسری پوشاک معقول پہن کر آیا۔ میں نے دیکھ کر کہا "سبحان اللہ! چشم بد دور" سُن کر مسکرایا اور بولا "مناسب یہ ہے کہ صاحب بھی اپنا لباس بدل ڈالیں۔

اس کی خاطر میں نے بھی دوسرے کپڑے پہنے اُس جوان نے تیاری ضیافت کی، کی۔ اور سامان خوشی کا جیسا چاہیئے موجود کیا اور فقیر سے مزے کی باتیں کرنے لگا۔ اتنے میں ساقی صراحی و پیالہ لے کر حاضر ہوا شراب کا دور شروع ہوا۔ جب دو چار جام کی نوبت پہنچی چار لڑکے مجلس میں آئے گانے بجانے لگے۔ اس مزے میں ایکبارگی وہ جوان آنسو بھر لایا اور فقیر سے بولا۔ اب ہماری تمہاری دوستی ہوئی، پس دل کا بھید دوستوں سے چھپانا کسی مذہب میں درست نہیں ایک بات آشنائی کے بھروسے کہتا ہوں اگر حکم ہو تو اپنی معشوقہ کو بلوا کر اس مجلس میں تسلی اپنے دل کی کروں۔ اس کی جدائی سے جی نہیں لگتا۔

یہ بات ایسے اشتیاق سے کہی کہ بغیر دیکھے بھالے فقیر کا دل بھی مشتاق ہوا میں نے کہا، مجھے تمہاری خوشی درکار ہے، اس سے کیا بہتر؟ دیر نہ کیجئے، سچ ہے معشوق بن کچھ اچھا نہیں لگتا۔ اس جوان نے چلون کی طرف اشارہ کیا۔ ایک عورت کالی کلوٹی بھتنی سی جوان کے پاس آ بیٹھی فقیر اُس کے دیکھنے سے ڈر گیا۔ دل میں کہا یہی بلا ایسے جوان پریزاد کی محبوبہ جس کی اتنی تعریف اور اشتیاق ظاہر کیا! میں لاحول پڑھ کر چپ ہو رہا، اُسی عالم میں تین دن رات مجلس راگ رنگ کی جمی رہی، چوتھی شب کو نشہ اور خواب کا غلبہ ہوا، میں خواب غفلت میں بے اختیار سو گیا، جب صبح ہوئی اُس جوان نے جگایا، اپنی معشوقہ سے کہا، اب مہمان کو زیادہ تکلیف دینی خوب نہیں۔

دونوں ہاتھ پکڑ کے اُٹھے، میں نے رخصت مانگی خوشی اجازت دی، میں نے جلد اپنے قدیمی کپڑے پہن لئے، گھر کی راہ لی، اور اس پری کی خدمت میں جا حاضر ہوا۔ مگر ایسا اتفاق کبھی نہ ہوا تھا کہ اُسے تنہا چھوڑ کر شب باش کہیں ہوا ہوں۔ اِس تین دن کی غیر حاضری سے نہایت خجل ہو کر عذر کیا، اور قصہ ضیافت کا اور اُس کے نہ رخصت کرنے کا سارا عرض کیا۔ وہ ایک دانا زمانے کی تھی، تبسم کر کے بولی، کیا مضائقہ اگر ایک دوست کی خاطر رہنا ہوا؟ ہم نے معاف کیا، تیری کیا خطا ہے؟ جب آدمی کسی کے گھر جاتا ہے تو اُس کی مرضی سے پھر آتا ہے، لیکن یہ مفت کی دعوتیں کھا پی کر چپکے ہو رہو گے یا اس کا بدلا بھی اُتارو گے؟ اب یہ لازم ہے کہ جا کر اُس سوداگر بچے کو اپنے ساتھ لے آؤ اور اُس سے دو چند ضیافت کرو اور اسباب کا کچھ اندیشہ نہیں، خدا کے کرم سے ایک دم میں سب لوازمہ تیار ہو جائے گا اور بہ خوبی مجلس ضیافت کی رونق پائے گی۔ فقیر حکم کے موافق جوہری کے پاس گیا اور کہا، تمہارا فرمانا تو میں سر آنکھوں سے بجا لایا، اب تم بھی مہربانی کی راہ سے میری عرض قبول کرو۔ اُس نے کہا جان و دل سے حاضر ہوں۔

میں نے کہا اگر اس بندے کے گھر تشریف لے چلو، عین غریب نوازی ہے۔ اُس جوان نے بہت عذر اور حیلے کئے، پَر میں نے نہ چھوڑا، ساتھ ہی ساتھ اس کو اپنے مکان پر لے چلا۔ لیکن راہ میں یہی فکر کرتا آتا تھا کہ اگر آج مقدور ہوتا تو ایسی تواضع کرتا کہ یہ بھی خوش ہوتا۔ اب میں اسے

لئے جاتا ہوں، دیکھئے کیا اتفاق ہوتا ہے۔ اِسی فکر میں گھر کے نزدیک پہنچا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ دروازے پر دھوم دھام ہو رہی ہے۔ گلیاری میں جھاڑو دے کر چھڑکاؤ کیا ہے۔ میں حیران ہوا لیکن اپنا گھر جان کر قدم اندر رکھا، دیکھا تو تمام حویلی میں فرش مکلّف ہر مکان کے مناسب جا بجا بچھا ہے، اور مسندیں لگی ہیں۔ پاندان، گلاب پاش، عطردان، پیکدان قرینے سے دھرے ہیں۔ طاقوں میں رنگترے، کنولے، نارنگیاں، رنگ برنگ کی چنی ہیں۔ ایک طرف رنگ آمیز ابرک کی ٹٹیوں میں چراغاں کی بہار ہے۔ ایک طرف جھاڑ اور سرو کنول کے روشن ہیں اور تمام دالان اور شہ نشینوں میں طلائی شمع دانوں پر کافوری شمعیں چڑھی ہیں اور جڑاؤ فانوسیں اوپر دھری ہیں۔ سب آدمی اپنے اپنے عہدوں پر مستعد ہیں۔ باورچی خانے میں دیگیں ٹھنٹھنا رہی ہیں۔ آبدار خانے کی ویسی ہی تیاری ہے۔ کوری کوری ٹھلیاں روپے کی گھڑونچیوں پر صافیوں سے بندھی رکھی ہیں آگے چوکی پر ڈونگے، کٹورے معہ تھالی، سرپوش دھرے، برف کے آبخورے لگ رہے ہیں اور شورے کی صراحیاں ہل رہی ہیں۔

غرض سب اسبابِ پادشاہانہ موجود ہے، فقیر نے اُس جوان کو لے جاکر مسند پر بٹھایا اور دل میں حیران تھا کہ یا الٰہی! اتنے عرصے میں یہ سب تیاری کیوں کر ہوئی؟ ہر طرف دیکھتا پھرتا تھا لیکن اس پری کا نشان کہیں نہ پایا۔ اسی جستجو میں ایک مرتبہ باورچی خانے کی طرف جا نکلا دیکھتا ہوں تو وہ نازنین ایک مکان میں گلے میں کرتی، پاؤں میں تہ پوشی

سر پر سفید رومالی اوڑھے ہوئے۔

نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی
کہ جیسے خوش نما لگتا ہے دیکھو چاند بن گہنے

خبر گیری میں ضیافت کے لگ رہی ہے، اور تاکید ہر ایک کھانے کی کر رہی ہے، کہ خبر دار بامزہ ہو اور آب و نمک بو باس درست رہے۔ اِس محنت سے وہ گلاب سا بدن سارا پسینے پسینے ہو رہا ہے۔

مَیں پاس جا کر تصدّق ہوا اور اس شعور و لیاقت کو سراہ کر دعائیں دینے لگا۔ یہ خوشامد سُن کر تیوری چڑھا کر بولی، آدمی سے ایسے کام ہوتے ہیں کہ فرشتے کی مجال نہیں، میں نے ایسا کیا کیا ہے جو تو اتنا حیران ہو رہا ہے۔ بس بہت باتیں بنائیں مجھے خوش نہیں آتیں۔ بھلا کہہ تو یہ کون آدمیت ہے کہ مہمان کو اکیلا بٹھا کر اِدھر اُدھر پڑے پھرے؟ وہ اپنے جی میں کیا کہتا ہو گا؟ جلد جا مجلس میں بیٹھ کر مہمان کی خاطر داری کر، اور اُس کی معشوقہ کو بھی بلوا کر اُس کے پاس بٹھلا۔ فقیر اسی وقت اس جوان کے پاس گیا اور گرم جوشی کرنے لگا۔ اتنے میں دو غلام صاحب جمال صراحی اور جام جڑاؤ ہاتھ میں لئے رو برو آئے شراب پلانے لگے۔ اس میں میں نے اُس جوان سے کہا، مَیں سب طرح مخلص اور خادم ہوں، بہتر یہ ہے کہ وہ صاحبِ جمال کہ جس کی طرف دل صاحب کا مائل ہے، تشریف لائے تو بڑی بات ہے۔ اگر فرماؤ تو آدمی بُلانے کی خاطر جائے یہ سنتے ہی خوش ہو کر بولا بہت اچھا، اِس وقت تم نے میرے دل کی

بات کہی۔ میں نے ایک خوجے کو بھیجا، جب آدھی رات گئی وہ چڑیل بلائے ناگہانی سی آپہنچی۔

فقیر نے لاچار خاطر سے مہمان کی استقبال کر کے نہایت تپاک سے برابر اُس جوان کے لا بٹھایا۔ جوان اُس کے دیکھتے ہی ایسا خوش ہوا جیسے دنیا کی نعمت ملی۔ وہ بُھتنی بھی اُس جوان کے گلے لپٹ گئی، سچ مچ یہ تماشا ہوا جیسے چودھویں رات کے چاند کو گہن لگتا ہے۔ جتنے مجلس میں آدمی تھے، اپنی اپنی انگلیاں دانتوں میں دابنے لگے، کہ کیا کوئی بلا اِس جوان پر مسلط ہوئی؟ سب کی نگاہ اُسی طرف تھی، تماشا مجلس کا بھول کر اُس کا تماشا دیکھنے لگے۔ ایک شخص کنارے سے بولا، یارو! عشق اور عقل میں ضد ہے، جو کچھ عقل میں نہ آئے یہ کافر عشق کر دکھائے۔ لیلیٰ کو مجنوں کی آنکھوں سے دیکھو، سبھوں نے کہا یہی بات ہے۔

یہ فقیر حکم کے بہ موجب مہمان داری میں حاضر تھا، ہرچند جوان ہم پیالہ ہم نوالہ ہونے کے لئے مجبور کرتا، پر مَیں ہرگز اس پری کے خوف کے مارے اپنا دل کھانے پینے یا سیر تماشے کی طرف رجوع نہ کرتا تھا اور مہمان داری کا عذر کر کے اُس کے ساتھ شامل نہ ہوتا۔ اِسی کیفیت سے تین روز گذرے چوتھی رات وہ جوان نہایت جوش سے مجھے بلا کر کہنے لگا۔ اب ہم بھی رخصت ہوں گے تمہاری خاطر اپنا سب کاروبار چھوڑ چھاڑ کر تین دن سے تمہاری خدمت میں حاضر ہیں۔ تم بھی تو ہمارے پاس ایک دم بیٹھ کر ہمارا دل خوش کرو۔ میں نے اپنے جی میں خیال کیا اگر اس وقت کہا اس کا نہیں

مانتا تو آزردہ ہوگا، نئے دوست اور مہمان کی خاطر رکھنی ضرور ہے۔ پھر تو ایسا پہیم دَور چلا کہ تھوڑی دیر میں سب آدمی مجلس کے بے خبر ہو گئے۔ اور میں بھی بے ہوش ہو گیا۔

جب صبح ہوئی اور آفتاب دو نیزے بلند ہوا، میری آنکھ کھلی تو دیکھا نہ وہ تیاری ہے نہ وہ مجلس، نہ وہ پری۔ فقط خالی حویلی پڑی ہے، مگر ایک کونے میں کمل لپٹا ہوا دھرا ہے۔ اُس کو کھول کر دیکھا تو وہ جوان اور اُس کی رنڈی دونوں سر کٹے پڑے ہیں۔ یہ حالت دیکھتے ہی حواس جاتے رہے، عقل کچھ کام نہیں کرتی کہ یہ کیا تھا اور کیا ہوا؟ حیرانی سے ہر طرف تک رہا تھا، اتنے میں ایک خواجہ سرا (جسے ضیافت کے کام کاج میں دیکھا تھا) نظر پڑا فقیر کو اُس کے دیکھنے سے کچھ تسلی ہوئی، احوال اِس واردات کا پوچھا۔ اُس نے جواب دیا، تجھے اس بات کی تحقیق کرنے سے کیا حاصل جو تو پوچھتا ہے میں نے بھی اپنے دل میں غور کیا کہ سچ تو کہتا ہے، پھر ذرا تامل کر کے بولا خیر نہ کہو، بھلا یہ تو بتاؤ وہ معشوقہ کس مکان میں ہے؟ تب اس نے کہا ہاں جو میں جانتا ہوں سو کہہ دوں گا، لیکن تجھ سا عقلمند آدمی بے مرضی حضور، دو دن کی دوستی پر بے تکلف ہو کر صحبت مے نوشی کی باہم گرم کرے یہ کیا معنی رکھتا ہے؟۔

فقیر اپنی حرکت اور اُس کی نصیحت سے بہت نادم ہوا۔ سوائے اِس بات کے زبان سے کچھ نہ نکلا، فی الحقیقت اب تو خطا ہوئی معاف کیجئے۔ بارے مہربان ہو کر اُس پری کے مکان کا نشان بتایا اور مجھے

رخصت کیا آپ اُن دونوں زخمیوں کے گاڑنے دابنے کی فکر میں رہا۔
میں تہمت سے اس فساد کے الگ ہوا اور اشتیاق میں اُس پری کے
ملنے کے لئے گھبرایا ہوا، گرتا پڑتا ڈھونڈھتا شام کے وقت اُس کوچے میں
اسی پتے پر جا پہنچا اور نزدیک دروازے کے ایک گوشے میں ساری رات
کاٹی۔ کسی کی آمد و رفت کی آہٹ نہ ملی اور کوئی احوال پُرساں میرا نہ ہوا۔
اُسی بیکسی کی حالت میں صبح ہوگئی، جب سورج نکلا اُس مکان کے بالاخانے
کی ایک کھڑکی سے وہ ماہ رُو میری طرف دیکھنے لگی۔ اُس وقت خوشی کا
جو عالم مجھ پر گذرا، دل ہی جانتا ہے، خدا کا شکر کیا۔

اتنے میں ایک خوجے نے میرے پاس آکر کہا۔ اِس مسجد میں تو جاکر
بیٹھ، شاید تیرا مطلب اس جگہ برآئے اور اپنے دل کی مراد پائے۔ فقیر
وہاں سے اُٹھ کر اُسی مسجد میں جا رہا لیکن آنکھیں دروازے کی طرف لگ
رہی تھیں، کہ دیکھئے پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ تمام دن جیسے رُونہ دار
شام ہونے کا انتظار کھینچتا ہے، میں نے بھی وہ روز ویسی ہی بیقراری میں
کاٹا۔ بارے شام ہوئی اور دن پہاڑ سا چھاتی پر سے ٹلا۔ ایکبارگی وہی
خواجہ سرا (جس نے اُس پری کے مکان کا پتا دیا تھا) مسجد میں آیا۔ بعد
فراغت نماز مغرب، میرے پاس آکر اُس شفیق نے نہایت تسلی دے کر
ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے ساتھ لے چلا رفتہ رفتہ ایک باغیچے میں مجھے بٹھا کر
کہا، یہاں رہو جب تک تمہاری آرزو برآئے اور آپ رخصت ہو کر شاید
میری حقیقت حضور میں کہنے گیا۔ میں اُس باغ کے پھولوں کی بہار اور

چاندنی کا عالم اور حوض میں فوّارے کے اُچھلنے کا تماشا دیکھ رہا تھا، لیکن جب پھولوں کو دیکھتا تب اُس گلبدن کا خیال آتا، جب چاند پر نظر پڑتی تب اُس مہ رُو کا مکھڑا یاد کرتا، یہ سب بہار اُس کے بغیر میری آنکھوں میں خار تھی۔

بارے خدا نے اُس کے دل کو مہربان کیا، وہ پری جیسے چودھویں رات کا چاند بناؤ کئے، سر سے پاؤں تک موتیوں میں جڑی روش پر آکر کھڑی ہوئی۔ اُس کے آنے سے تر و تازگی نئے سر سے اُس باغ کو اور اس فقیر کے دل کو ہوگئی۔ ایک دم اِدھر اُدھر سیر کر کے شہ نشین میں مسند پر تکیہ لگا کر بیٹھی۔ میں دوڑ کر پروانے کی طرح تصدّق ہوا اور غلام کی مانند دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوا۔ اتنے میں وہ خواجہ میری خاطر بہ طور سفارش کے عرض کرنے لگا۔ میں نے اُس سے کہا، بندہ گنہگار قصوروار ہے جو کچھ سزا میرے لائق ٹھہرے سو ہو۔ وہ پری چونکہ ناخوش تھی، بد دماغی سے بولی کہ اب اِس کے حق میں یہی بھلا ہے کہ سو توڑے اشرفی کے لے اور اپنا اسباب درست کر کے وطن کو سدھارے۔

میں یہ بات سنتے ہی سوکھ گیا کہ اگر کوئی میرے بدن کو کاٹے تو ایک بوند لہو کی نہ نکلے اور تمام دُنیا آنکھوں کے آگے اندھیری لگنے لگی بے اختیار ایک نامرادی کی آہ جگر سے نکلی۔ آنسو بھی ٹپکنے لگے۔ سوائے خدا کے اُس وقت کسی کی توقع نہ رہی، مایوس محض ہو کر اتنا بولا۔ ذرا اپنے دل میں غور فرمایئے اگر مجھ کم نصیب کو دنیا کا لالچ ہوتا تو اپنا جان و مال حضور

میں نہ کھوتا کیا حق خدمت گزاری اور جان نثاری کا عالم سے اُٹھ گیا؟ جو مجھ سے کم بخت پر اتنی بے مہری فرمائی۔ خیر اب مجھے بھی زندگی سے کچھ کام نہیں، معشوقوں کی بے وفائی سے بیچارے عاشقِ نیم جان کا نباہ نہیں ہوتا۔

یہ سُن کر تیوری چڑھا کر خفگی سے بولی، چہ خوش! آپ ہمارے عاشق ہیں؟ مینڈکی کو بھی زکام ہوا؟ اے بیوقوف! اپنے حوصلے سے زیادہ باتیں بنانا خیالِ خام ہے، چھوٹا منہ بڑی بات۔ بس چپ رہ یہ نکمّی بات چیت مت کر، اگر کسی اور نے یہ حرکت بے معنی کی ہوتی، پروردگار کی قسم، اس کی بوٹیاں کتواچیلوں کو بانٹتی، پر کیا کروں؟ تیری خدمت یاد آتی ہے۔ اب اسی میں بھلائی ہے کہ اپنی راہ لے، تیری قسمت کا دانہ پانی ہماری سرکار میں اتنا ہی تھا۔ پھر میں نے روتے بسورتے کہا اگر میری تقدیر میں یہی لکھا ہے کہ اپنے دل کے مقصد کو نہ پہنچوں اور جنگل پہاڑ میں سر ٹکراتا پھروں تو لاچار ہوں۔ اِس بات سے بھی دق ہو کہنے لگی، مجھے یہ چوچلے اور رمز کی باتیں پسند نہیں آتیں، اِس اشارے کی گفتگو کی جو لائق ہو اُس سے جا کر کہہ۔ پھر اُسی خفگی کے عالم میں اُٹھ کر اپنے دولت خانے کو چلی۔ میں نے بہتیرا سر پٹکا متوجہ نہ ہوئی۔ لاچار میں بھی اُس مکان سے اُداس اور نا اُمید ہو کر نکلا۔

غرض چالیس دن تک یہی نوبت رہی۔ جب شہر کی کوچہ گردی سے اُکتاتا جنگل میں نکل جاتا، جب وہاں سے گھبراتا، پھر شہر کی گلیوں میں دیوانہ سا آتا۔ نہ دن کو کھاتا نہ رات کو سوتا، جیسے دھوبی کا کُتّا

نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔ زندگی انسان کی کھانے پینے سے ہے، آدمی اناج کا کیڑا ہے۔ طاقت بدن میں نہ رہی، اپاہج ہو کر اُسی مسجد کی دیوار کے تلے جا پڑا، کہ ایک روز وہی خواجہ سرا جمعے کی نماز پڑھنے آیا، میرے پاس سے ہو کر چلا، میں آہستہ ناطاقتی سے یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

اِس دردِ دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو
قسمت میں جو لکھا ہو الٰہی شتاب ہو

اگرچہ ظاہر میں صورت میری بالکل تبدیل ہو گئی تھی، چہرے کی یہ شکل بنی تھی کہ جس نے مجھے پہلے دیکھا تھا، وہ بھی نہ پہچان سکتا کہ یہ وہی آدمی ہے لیکن وہ شخص درد بھری آواز سُن کر متوجہ ہوا، میری طرف بہ غور دیکھ کر شفقت سے مخاطب ہوا کہ "آخر یہ حالت اپنی پہنچائی؟" میں نے کہا۔ اب تو جو ہوا سو ہوا، مال سے بھی حاضر تھا، جان بھی تصدق کی، اُس کی خوشی یوں ہی ہوئی تو کیا کروں۔

یہ سنکر ایک خدمت گار میرے پاس چھوڑ کر مسجد میں گیا، نماز اور خطبے سے فراغت کر کے جب باہر نکلا، فقیر کو ایک میانے میں ڈال کر اپنے ساتھ خدمت میں اُس پری کی لے جا کر باہر بٹھایا۔ اگرچہ میری روہٹ کچھ باقی نہ رہی تھی پر مدت تک شب و روز اُس پری کے پاس اتفاق رہنے کا ہوا تھا جان بوجھ کر بیگانی ہو کر پوچھنے لگی، یہ کون ہے؟ اُس آدمی نے کہا یہ وہی بدنصیب ہے جو حضور کی خفگی اور عتاب میں پڑا تھا، اُسی سبب سے اِس کی یہ صورت بنی ہے، عشق کی آگ سے جلا جاتا ہے، ہر چند آنسوؤں کے پانی سے

بجھاتا ہے۔ پر وہ دونی بھڑکتی ہے۔ کچھ فائدہ نہیں ہوتا، علاوہ اپنی خطا کی خجالت سے مُوا جاتا ہے۔ پری نے ٹھٹھولی سے فرمایا، کیوں جھوٹ بکتا ہے بہت دن ہوئے اُس کی خبر وطن پہنچنے کی مجھے خبرداروں نے دی ہے۔ وَاللّٰہُ اعلم، یہ کون ہے اور تو کس کا ذکر کرتا ہے؟ اُس دم خواجہ سرا نے ہاتھ جوڑ کر التماس کیا، اگر جان کی امان پاؤں تو عرض کروں۔ فرمایا کہہ، تیری جان تجھے بخشی۔ خواجہ بولا، آپ کی ذات قدردان ہے، خدا کے واسطے چلون کو درمیان سے اُٹھوا کر پہچانئے اور اس کی بیکسی کی حالت پر رحم کیجئے، ناحق شناسی خوب نہیں۔ اب اِس کے احوال پر جو کچھ ترس کھائیے بجا ہے اور جائے ثواب ہے، آگے حدِّ ادب، جو مزاج مبارک میں آئے سو ہی بہتر ہے۔

اتنا کہنے پر مسکرا کر فرمایا، بھلا کوئی ہو اِسے دارالشفا میں رکھو، جب بھلا چنگا ہو گا تب اُس کے احوال کی پرسش کی جاے گی۔ خوجے نے کہا اگر اپنے دستِ خاص سے گلاب اس پر چھڑکئے اور زبان سے کچھ فرمائیے تو اِس کو اپنے جینے کا بھروسا ہو، نا اُمیدی بُری چیز ہے، دنیا بہ اُمید قائم ہے۔ اس پر بھی اُس پری نے کچھ نہ کہا۔ یہ سوال وجواب سُن کر میں بھی اپنے جی سے اُکتا رہا تھا، بول اٹھا کہ اب اِس طور کی زندگی کو دل نہیں چاہتا۔ پاؤں تو گور میں لٹکا چکا ہوں، ایک روز مرنا ہے اور علاج میرا بادشاہ زادی کے ہاتھ میں ہے، کریں یا نہ کریں وہ جانیں۔ مہربان ہو کر فرمایا جلد بادشاہی حکیموں کو حاضر کرو۔ طبیب جمع ہوئے، نبض، قارورہ دیکھ کر بہت غور کی آخر تشخیص میں ٹھہرا کہ یہ شخص کہیں عاشق ہوا ہے۔ سوائے وصل معشوق کے

اس کا علاج نہیں. جس وقت وہ ملے یہ صحت پائے. حکیموں کی اس تشخیص پر حکم ہوا کہ اس جوان کو نہلا کر خاصی پوشاک پہنا کر حضور میں لے آؤ۔ فوراً مجھے باہر لے گئے حمام کروا اچھے کپڑے پہنا خدمت میں پری کے حاضر کیا تب وہ تپاک سے بولی تو نے مجھے ناحق بدنام کیا اور اب کیا چاہتا ہے جو تیرے دل میں ہے صاف صاف بیان کر۔

اُس وقت یہ عالم ہوا کہ شادی مرگ ہو جاؤں خوشی کے مارے ایسا پھولا کہ جامے میں نہ سماتا تھا۔ شکر خدا کا کیا اور اُس سے کہا اِس دم ساری حکیمی آپ پر ختم ہوئی کہ مجھ سے مردے کو ایک بات میں زندہ کیا۔ یہ کہہ کر تین بار گرد پھر کر سامنے آ کھڑا ہوا اور کہا کہ بندے کو ہفت اقلیم کی سلطنت سے زیادہ یہ ہے کہ غریب نوازی کر کے اس عاجز کو قبول کیجئے۔ یہ سُن کر ایک لمحہ غوطے میں گئی پھر کن آنکھیوں سے دیکھ کر کہا بیٹھو، تم نے خدمت اور وفاداری ایسی کی ہے، جو کچھ کہو سو پھبتی ہے اور ہمارے بھی دل پر نقش ہے، خیر ہم نے قبول کیا۔

اُسی دن اچھی ساعت قاضی نے نکاح پڑھ دیا۔ بڑی محنت اور آفت کے بعد خدا نے یہ دن دکھایا کہ میں نے اپنی مراد پائی، لیکن جی میں بے کلی اُس وارداتِ عجیب کے معلوم کرنے کی تھی، کہ آج تک میں نے کچھ نہ سمجھا کہ یہ پری کون ہے؟ اور وہ حبشی سانولا سجیلا جس نے ایک پرزے کاغذ پر اشرفیوں کے بدرے میرے حوالے کئے کون تھا؟ اور بادشاہوں کے لائق ضیافت کی تیاری ایک پہر میں کیوں کر ہوئی؟ اور

وہ دونوں بے گناہ اس مجلس میں کس لئے مارے گئے؟ خفگی اور بے مرتی کا سبب (باوجود خدمت گزاری اور ناز برداری کے) مجھ پر کیا ہوا اور پھر ایکبارگی اس عاجز کو یوں سربلند کیا؟ فقیر نے ملکہ سے کہا بڑی آرزو اور مراد میری جو تھی سو مجھے ملی، لیکن دل میرا پریشان ہے اور پریشان آدمی کی خاطر پریشان رہتی ہے۔ اُس سے کچھ ہو نہیں سکتا انسانیت سے خارج ہو جاتا ہے۔ میں نے اپنے دل میں یہ عہد کیا تھا کہ اس نکاح کے بعد (کہ عین دل کی شادی ہے) بعضی بعضی باتیں (جو خیال میں نہیں آتیں اور نہیں کھلتیں) حضور میں پوچھوں گا کہ زبان مبارک سے اُس کا بیان سنوں، تو جی کو تسکین ہو۔ اُس پری نے چیں بہ جبیں ہو کر کہا کیا خوب! ابھی سے بھول گئے۔ بارہا ہم نے کہا ہے کہ ہمارے کام میں ہرگز دخل نہ دینا اور کسی بات کے معترض نہ ہونا، خلاف معمول یہ بے ادبی کرنی کیا لازم ہے؟ فقیر نے ہنس کر کہا جیسی اور بے ادبیاں معاف کرنے کا حکم ہے ایک یہ بھی سہی وہ پری آگ کا بگولہ بن گئی اور بولی، اب تو بہت سر چڑھا! جا اپنا کام کر، ان باتوں سے تجھے کیا فائدہ ہو گا؟ میں نے کہا، دنیا میں اپنے بدن کی شرم سب سے زیادہ ہوتی ہے، لیکن ایک دوسرے کا واقف کار ہوتا ہے، پس جب ایسی چیز دل پر روا رکھی تو اور کون سا بھید چھپانے کے لائق ہے۔

وہ پری کہنے لگی۔ یہ بات سچ ہے پر جی میں یہ خیال آتا ہے، کہ اگر مجھ نگوڑی کا راز فاش ہو تو بڑی قیامت مچے۔ میں بولا یہ کیا مذکور ہے

بندے کی طرف سے یہ خیال دل میں نہ لاؤ، اور خوشی سے ساری کیفیت جو بیتی ہے فرماؤ، ہرگز ہرگز میں دل سے زبان تک نہ لاؤں گا، کسی کے کان پڑنا کیا امکان ہے؟ جب اُس نے دیکھا کہ اب سوائے کہنے کے چھٹکارا نہیں، لاچار ہوکر بولی، اِن باتوں کے کہنے میں بہت سی خرابیاں ہیں، تو خواہ نخواہ درپے ہوا۔ خیر تیری خاطر عزیز ہے، اس لئے اپنی سرگذشت بیان کرتی ہوں، تجھے بھی اُس کا پوشیدہ رکھنا ضرور ہے،

غرض بہت سی تاکید کرکے کہنے لگی، کہ مَیں بدبخت ملکِ دمشق کے سلطان کی بیٹی ہوں اور وہ بڑا پادشاہ ہے۔ سوائے میرے کوئی لڑکا بالا اُس کے یہاں نہیں ہوا جس دن سے مَیں پیدا ہوئی ماں باپ کے سائے میں ناز و نعمت اور خوشی خرمی سے پلی۔ جب ہوش آیا اپنے دل کو خوبصورتوں اور نازنینوں کے ساتھ لگایا۔ چنانچہ سُتھری سُتھری پریزاد ہمجولی امیرزادیاں مصاحبت میں، اور اچھی اچھی قبول صورت ہم عمر سہلیاں خدمت میں رہتی تھیں۔ تماشا ناچ اور راگ رنگ کا ہمیشہ دیکھا کرتی، دنیا کے بھلے بُرے سے کچھ سروکار نہ تھا، اپنی بے فکری کے عالم کو دیکھ کر سوائے شکرِ خدا کے کچھ منہ سے نہ نکلتا تھا۔

اتفاقاً طبیعت خود بخود ایسی بے مزہ ہوئی کہ نہ مصاحبت کسی کی بھائے نہ مجلس خوشی کی خوش آئے، دل اُداس اور حیران نہ کسی کی صورت اچھی لگے، نہ بات کہنے سننے کو جی چاہے۔ میری یہ حالت دیکھ کر سب متفکر ہوئیں اور قدم پر گرنے لگیں۔ یہی خواجہ سرا نمک حلال قدیم سے میرا

محرم راز ہے، اس سے کوئی بات مخفی نہیں، میری وحشت دیکھ کر بولا کہ اگر پاشاہ زادی تھوڑا سا شربت ورق الخیال کا نوش جاں فرما دیں، تو اغلب ہے کہ طبیعت بحال ہو جائے اور فرحت مزاج میں آئے۔ اس کے اس طرح کے کہنے سے مجھے بھی شوق ہوا، تب میں نے فرمایا جلد حاضر کر۔

خواجہ باہر گیا اور ایک صراحی اسی شربت کی تکلف سے بنا کر برف میں لگا کر لڑکے کے ہاتھ لے آیا۔ میں نے پیا اور جو کچھ اُس کا فائدہ بیان کیا تھا ویسا ہی دیکھا۔ اسی وقت اُس خدمت کے انعام میں ایک بھاری خلعت خوجے کو عنایت کی اور حکم کیا کہ ایک صراحی ہمیشہ اِسی وقت حاضر کیا کر۔ اُس دن سے یہ مقرر ہوا کہ خواجہ سرا صراحی اُسی چھوکرے کے ہاتھ لائے اور بندی پی جائے جب اُس کا نشہ طلوع ہوتا، تو اُس کی لہر میں اُس لڑکے سے ٹھٹھا کر کے دل بہلاتی تھی۔ جب وہ ڈھیٹھ ہوا تب اچھی اچھی میٹھی باتیں کرنے لگا۔ صورت تو اُس کی طرح دار تھی۔ میں دل کے شوق سے اور اٹکھیلیوں کے ذوق سے ہر روز انعام دینے لگی، پر وہ کم بخت اُنھیں کپڑوں سے جیسے ہمیشہ پہن رہا تھا حضور میں آتا۔ بلکہ وہ لباس بھی میلا کچیلا ہو جاتا۔

ایک دن پوچھا کہ تجھے سرکار سے اتنا کچھ ملا، پر تو نے اپنی صورت ویسی کی ویسی ہی پریشان بنا رکھی۔ کیا سبب ہے، وہ روپے کہاں خرچ کئے، یا جمع کر رکھے؟ لڑکے نے خاطرداری کی باتیں جو سُنیں اور مجھے پُرسانِ احوال پایا، آنسو ڈبڈبا کر کہنے لگا، جو کچھ آپ نے اس غلام کو عنایت

کیا۔ سب اُستاد نے لے لیا، مجھے ایک پیسا نہیں دیا۔ کہاں سے دوسرے کپڑے بناؤں جو پہن کر حضور میں آؤں؟ اِس میں میری خطا نہیں، میں لاچار ہوں۔ اِس غریبی کے کہنے پر اُس کے ترس آیا، اسی وقت خواجہ سرا کو فرمایا کہ آج سے اِس لڑکے کو اپنی صحبت میں تربیت کر، اور اچھّا لباس تیار کرا کر پہنا اور لونڈوں میں بے فائدہ کھیلنے کو دنے نہ دے۔ بلکہ اپنی خوشی یہ ہے کہ آداب لائق حضور کی خدمت کے سیکھے اور حاضر رہے۔ خواجہ سرا موافق فرمانے کے بجا لایا، اور میری مرضی جو اُدھر دیکھی نہایت اُس کی خبر گیری کرنے لگا۔ تھوڑے دنوں میں فراغت اور خوش خوری کے سبب سے اُس کا رنگ و روغن کچھ کا کچھ ہو گیا۔ میں اپنے دل کو ہر چند سنبھالتی پر اُس کافر کی صورت جی میں ایسی کھُب گئی تھی، یہی جی چاہتا کہ اپنی آنکھوں سے ایک پل کے لئے جدا نہ کروں۔

آخر اس کو مصاحبت میں داخل کیا، اور خلعتیں طرح بہ طرح کی اور جواہر رنگ بہ رنگ کے پہنا کر دیکھا کرتی۔ ہر دم اُس کی خاطر داری کرتی آخر کو میری یہ حالت پہنچی کہ اگر ایک دم کچھ ضروری کام کو میرے سامنے سے جاتا، تو چین نہ آتا۔ اس کا چرچا باہر درباریوں میں ہونے لگا۔ دربان، چوبدار اُس کو محل کے اندر آنے جانے سے منع کرنے لگے۔ آخر اُس کا آنا موقوف ہوا، مجھے تو اس کے بغیر کل نہ پڑتی تھی، ایک دم پہاڑ تھا۔ جب یہ احوال نا اُمیدی کا سُنا، ایسی بدحواس ہو گئی گویا مجھ پر قیامت ٹوٹی اور یہ حالت ہوئی کہ نہ کچھ کہہ سکتی ہوں، نہ اُس بِن رہ

سکتی ہوں - کچھ بس نہیں چل سکتا - الٰہی کیا کروں! عجب طرح کا قلق ہوا مارے بیقراری کے اُسی خواجہ کو بُلا کر کہا کہ مجھے غور اور پرداخت اُس لڑکے کی منظور ہے، بالفعل صلاحِ وقت یہ ہے کہ ہزار اشرفی پونجی دے کر چوراہے میں دوکان جوہری کی کرا دو - تو تجارت کر کے اُس کے نفع سے اپنی گزران فراغت سے کیا کرے - اور میرے محل کے قریب ایک اچھے نقشے کی حویلی رہنے کے لئے بنا دو - لونڈی، غلام اور نوکر چاکر اس کے پاس رکھوا دو کہ کسی طرح تکلیف نہ ہو - خواجہ سرا نے اُس کی بود و باش اور تجارت کی سب تیاری کر دی - تھوڑے عرصے میں اُس کی دوکان ایسی چمکی کہ جو خلعتیں اور بیش قیمت جواہر بادشاہ اور امیروں کو درکار اور مطلوب ہوتے اُسی کے یہاں بہم پہنچتے - آہستہ آہستہ یہ دوکان ایسی جمی کہ سب جوہریوں کا روز اُس کے آگے ماند ہو گیا - غرض اس شہر میں کوئی برابری اس کی نہ کر سکتا، بلکہ کسی ملک میں ویسا کوئی نہ تھا -

اِسی کاروبار میں اُس نے تو لاکھوں روپے کمائے، پر جدائی اُس کی روز بروز میرے تن بدن کو گھٹا رہی تھی، کوئی تدبیر بن نہ آتی کہ اُس کو دیکھ کر اپنے دل کی تسلّی کروں - اُسی واقف کار خواجہ سرا کو بلایا اور کہا، کہ کوئی ایسی صورت بن نہیں آتی کہ اس کی صورت میں دیکھوں اور اپنے دل کو تسلّی دوں مگر ایک صورت ہے کہ ایک سرنگ اُس کی حویلی سے کھدوا کر محل میں ملوا دو - حکم کرتے ہی تھوڑے دنوں میں ایسی

نقب تیار ہوئی کہ جب شام ہوتی چپکے ہی وہ خواجہ سرا اُس جوان کو اسی راہ سے لے آتا۔ تمام شب عیش و عشرت میں کٹتی، میں اُس کے ملنے سے آرام پاتی، وہ میرے دیکھنے سے خوش ہوتا۔ جب فجر کا تارا نکلتا اور مؤذن اذان دیتا، خواجہ سرا اُسی راہ سے اُس جوان کو اس کے گھر پہنچا دیتا۔ اِن باتوں سے سوائے اُس خوجے اور دو دائیوں کے چوتھا آدمی کوئی واقف نہ تھا۔

مدت تک اس طرح سے گذری۔ ایک روز یہ اتفاق ہوا، کہ موافق معمول کے خواجہ سرا جو اُس کو بلانے گیا دیکھے تو وہ جوان فکرمند سا چپکا بیٹھا ہے خواجہ سرا نے پوچھا آج خیر ہے کیوں ایسے دلگیر ہو رہے ہو؟ چلو حضور میں یاد فرمایا ہے، اُس نے ہرگز کچھ جواب نہ دیا، زبان نہ ہلائی۔ خواجہ سرا اپنا سا منہ لے کر اکیلا پھر آیا، اور احوال اُس کا عرض کیا، اگر یہ جانتی کہ عشق اور چاہ ایسے نمک حرام، بے وفا کی آخر کو بدنام اور رسوا کرے گی اور ننگ و ناموس سب ٹھکانے لگے گا، تو اُسی دم اُس کام سے باز آتی اور توبہ کرتی، پھر اُس کا نام نہ لیتی نہ اپنا دل اُس بے حیا کو دیتی۔ پر ہونا تو یوں تھا، اِس لئے اس کی بے جا حرکت خاطر میں نہ لائی۔ اُس کا نتیجہ یہ دیکھا کہ اُس سرگذشت سے بغیر دیکھے بھالے تو بھی واقف ہوا۔ نہیں تو میں کہاں اور تو کہاں خیر جو ہوا سو ہوا، اِس خرد ماغی پر اُس گدھے کی خیال نہ کر دوبارہ خوجے کے ہاتھ پیغام بھیجا، کہ اگر تو اس وقت نہیں آئے گا تو میں کسی نہ کسی ڈھب سے وہیں آتی ہوں، لیکن میرے آنے میں بڑی قباحت ہے، اگر یہ راز فاش ہوا تو تیرے حق میں بہت بُرا ہے۔ ایسا کام نہ کر جس میں سوائے

رسوائی کے اور کچھ پھل نہ ملے۔ بہتر یہی ہے کہ جلد چلا آ نہیں تو مجھے پہنچا جان جب یہ سندیسا گیا اور اشتیاق میرا دیکھا بھونڈی سی صورت بنائے ہوئے نازنخرے سے آیا۔

جب میرے پاس بیٹھا تو میں نے اس سے پوچھا کہ آج رکاوٹ اور خفگی کا کیا باعث ہے؟ اتنی شوخی اور گستاخی تو نے کبھی نہ کی تھی ہمیشہ بلا عذر حاضر ہوتا تھا۔ تب اُس نے کہا کہ میں گمنام غریب، حضور کی توجہ سے اور دامنِ دولت کے باعث اِس مقدور کو پہنچا، بہت آرام سے زندگی کٹتی ہے۔ آپ کے جان و مال کو دعا کرتا ہوں، یہ خطا پادشاہزادی کے معاف کرنے کے بھروسے اِس گنہگار سے سرزد ہوئی۔ اُمیدوار عفو کا ہوں۔ مَیں تو جان و دل سے اُسے چاہتی تھی، اُس کی بناوٹ کی باتوں کو مان لیا اور شرارت پر نظر نہ کی، بلکہ پوچھا کہ تجھ کو ایسی کیا مشکل پیش آئی جو ایسا متفکر ہو رہا ہے؟ اُس کو عرض کر، اُس کی بھی تدبیر ہو جاے گی۔

غرض اُس نے اپنی خاکساری سے یہی کہا، کہ میرے لئے سب مشکل ہے آپکے روبرو سب آسان ہے۔ آخر اُس کے کلام سے یہ کھلا، کہ ایک باغ نہایت سرسبز اور عمارت عالی نافِ شہر میں بکاؤ ہے اور اُس باغ کے ساتھ ایک لونڈی بھی کہ علم موسیقی میں خوب سلیقہ رکھتی ہے، یہ دونوں باہم بکتے ہیں، جیسے اونٹ کے گلے میں بلّی، جو کوئی وہ باغ لے اُس کنیز کی بھی قیمت دے اور تماشا یہ ہے کہ باغ کا مول پانچ ہزار روپے، اور اُس باندی کا بہا پانچ لاکھ، فدوی سے اتنے روپے بالفعل سرانجام نہیں ہو سکتے۔ میں نے اس کا دل شوق میں

اُن کی خریداری کے پایا ، باوجودیکہ روبرو میرے بیٹھا تھا، تب بھی اداس تھا مجھے تو خاطرداری اس کی ہر گھڑی اور ہر پل منظور تھی اُسی وقت خواجہ سرا کو حکم کیا کہ صبح کو قیمت اُس باغ کی لونڈی سمیت چکا کر قبالہ باغ کا اور خط کنیزک کا لکھوا کر اس شخص کے حوالے کرو اور مالک کو زر قیمت خزانۂ عامرہ سے دلوا دو۔

اِس پروانگی کے سنتے ہی جوان آداب بجا لایا، ساری رات ہنسی خوشی سے کٹی، فجر ہوتے ہی وہ رخصت ہوا، خوجے نے موافق فرمانے کے اُس باغ کو اور لونڈی کو خرید کر دیا، پھر وہ جوان موافق معمول کے آیا جایا کرتا۔ ایک روز بہار کے موسم میں کہ سماں بھی دلچسپ تھا، پھونھیاں پڑ رہی تھیں، بجلی کوند رہی تھی اور ہوا نرم نرم بہتی تھی کہ خیال اُس باغ نوخرید کا گزرا شوق ہوا کہ اِس عالم میں وہاں کی سیر کیا چاہیئے۔ بیٹھے بٹھائے ایک دائی کو ساتھ لے کر سرنگ کی راہ سے اُس جوان کے مکان کو گئی، وہاں سے باغ کی طرف دیکھا تو ٹھیک اُس باغ کی بہار بہشت کی برابری کر رہی ہے۔ اور سُرخی پھولوں کی اُس ابر میں ایسی اچھی لگتی ہے جیسے شام کو شفق پھولی ہے اور نہریں لبالب مانند آئینے کے نظر آتی ہیں اور موجیں لہراتی ہیں۔

غرض اُس باغ میں ہر طرف سیر کرتی پھرتی تھی، کہ دن ہو چکا، سیاہی شام کی نمود ہوئی، اتنے میں وہ جوان ایک روش پر نظر آیا اور مجھے دیکھ کر بہت ادب اور گرم جوشی سے آگے بڑھ کر میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ پر دھر کر بارہ دری کی طرف لے چلا۔ جب وہاں میں گئی تو وہاں کے عالم نے سارے باغ کی کیفیت کو دل سے بھلا دیا۔ یہ روشنی کا ٹھاٹھ تھا جا بجا قمقمے سرو

چراغاں کنول اور فانوسیں روشن تھیں کہ شب برات باوجود چاندنی اور چراغوں کے اُس کے آگے اندھیری لگتی۔

اس عرصے میں بادل پھٹ گیا اور چاند نکل آیا۔ بڑی کیفیت ہوئی، چاندنی چھٹکتے ہی جوان نے کہا، کہ اب چل کر باغ کے بالاخانے پر بیٹھیے۔ میں ایسی احمق ہوگئی تھی کہ جو وہ کہتا سو میں مان لیتی، اب یہ ناچ نچایا کہ مجھ کو اوپر لے گیا۔ وہ کوٹھا ایسا بلند تھا کہ تمام شہر کے مکان اور بازار کے چراغ گویا اُس کے پائیں باغ تھے۔ میں خوشی کے عالم میں بیٹھی تھی۔ اِتنے میں ایک عورت نہایت بھونڈی سی صورت نہ شکل چولھے میں سے نکل، شراب کا شیشہ ہاتھ میں لئے ہوئے آپہنچی، مجھے اُس وقت اُس کا آنا بُرا لگا۔ اور اُس کی صورت دیکھنے سے دل میں ہول اُٹھی۔

میں نے گھبرا کر جوان سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو نے کہاں سے پیدا کی؟ وہ جوان ہاتھ باندھ کر کہنے لگا کہ یہ وہی لونڈی ہے جو اِس باغ کے ساتھ حضور کی عنایت سے خرید ہوئی۔ میں نے معلوم کیا کہ اس احمق نے بڑی خواہش سے اس کو لیا ہے، شاید اُس کا دل اُس پر مائل ہے۔ اِسی خاطر سے پیچ تاب کھا کر میں چپکی ہو رہی، لیکن دل اُسی وقت سے مکدر ہوا اور ناخوشی مزاج پر چھا گئی، اُس وقت میں اپنا لہو پیتی تھی اور جیسے طوطی کو کسی کوّے کے ساتھ ایک پنجرے میں بند کرتا ہے، نہ جانے کی فرصت پاتی تھی اور نہ بیٹھنے کو جی چاہتا تھا۔ آخر وہ بے حیا بدمست ہو کر اُس مردود سے بیہودہ ادائیں کرنے لگی اور وہ بھی نشے میں بے لحاظ ہو چلا اور نامعقول حرکتیں کرنے لگا۔

میری اس وقت یہ حالت تھی کہ اپنے اوپر لعنت کرتی تھی، کہ کیوں تو یہاں
ئی جس کی یہ سزا پائی؟ آخر کہاں تک سہوں، میرے سر سے پاؤں تک
گ لگ گئی، اسی غصّے اور طیش میں وہاں سے اُٹھی۔

وہ شرابی اپنی خرابی دل میں سوچا، کہ اگر بادشاہزادی اس وقت
ناخوش ہوئی، تو کل میرا کیا حال ہوگا اور صبح کو کیا قیامت مچے؟ اب
یہ بہتر ہے کہ شاہزادی کو مار ڈالوں۔ یہ ارادہ جی میں ٹھہرا کر میرے پاؤں
کر پڑا، اور پگڑی سر سے اُتار کر منت وزاری کرنے لگا۔ میرا دل تو اس پر
لٹو ہو رہا تھا جدہر لئے پھرتا تھا پھرتی تھی اور چکّی کی طرح میں اُس کے اختیار
میں تھی جو کہتا تھا سو کرتی تھی، جوں توں مجھے پھُسلا کر پھر بہلایا اور اسی شراب
کے دو چار پیالے بھر بھر کر آپ بھی پیئے اور مجھے بھی دئے ایک تو غصّے کے
مارے جل بھن کباب ہو رہی تھی، دوسرے ایسی شراب پی جلد بے ہوش
ہو گئی، کچھ حواس باقی نہ رہے۔ تب اُس بے رحم سنگ دل نے تلوار سے
مجھے گھایل کیا، بلکہ اپنی دانست میں مار چکا۔ اُس دم میری آنکھ کھلی تو منہ
سے یہی نکلا، خیر، جیسا ہم نے کیا ویسا پایا لیکن تو خود کو میرے اس خونِ ناحق
سے بچا۔

مجھے اپنی سدھ بدھ کچھ نہ رہی شاید اس قصائی نے مجھے مردہ خیال
کر اُس صندوق میں ڈال کر قلعے کی دیوار کے تلے لٹکا دیا۔ غرض تو نے
دیکھا۔ میں کسی کا بڑا نہ چاہتی تھی، لیکن یہ خرابیاں قسمت میں لکھی تھیں، ان
آنکھوں کے سبب یہ کچھ دیکھا، اگر خوبصورتوں کے دیکھنے کا دل میں شوق

نہ ہوتا۔ تو وہ بدبخت میرے گلے کا طوق نہ ہوتا۔ اللہ نے یہ کام کیا کہ تجھ کو
وہاں پہنچا دیا، اور سبب میری زندگی کا کیا۔ اب حیا جی میں آتی ہے کہ
کسی کو منہ نہ دکھاؤں، پر کیا کروں، مرنے کا اختیار اپنے ہاتھ میں نہیں۔
خدا نے مار کر جلایا، آگے دیکھئے کہ کیا قسمت میں ہے۔ ظاہر میں تو تیری دوڑ
دھوپ اور خدمت کام آئی جو ویسے زخموں سے شفا پائی۔ تو نے جان و مال
سے میری خاطر کی۔ اُن دنوں تجھے پریشان دیکھ کر وہ خط سیدی بہار کو
(جو میرا خزانچی ہے) لکھا، اُس میں یہی مضمون تھا کہ میں خیر و عافیت سے
اب فلانے مکان میں ہوں مجھ بدقسمت کی خبر والدہ کی خدمت میں پہنچاؤ۔
اُس نے تیرے ساتھ نقد کی وہ کشتیاں خرچ کی خاطر بھیج دیں، اور
جب تجھے خلعت اور جواہر کے خرید نے یوسف سوداگر کی دوکان کو بھیجا
مجھے یہ بھروسا تھا کہ وہ کم حوصلہ ہر ایک سے جلد آشنا ہو جاتا ہے، تجھے بھی
اجنبی جان کر اغلب ہے کہ دوستی کرنے کے لئے اِترا کر دعوت اور ضیافت
کرے گا، سو میرا منصوبہ ٹھیک بیٹھا، جو کچھ میرے دل میں خیال آیا تھا اُس نے
ویسا ہی کیا۔ تو جب اُس سے قول و قرار پھر آنے کا کر کے میرے پاس آیا
میں دل میں خوش ہوئی کہ جب تو اُس کے گھر میں جا کر کھائے پیئے گا تب
اگر تو بھی اُس کو مہمانی کی خاطر بلائے گا وہ دوڑا چلا آئے گا۔ اس لئے تجھے
جلد رخصت کیا۔ تین دن کے پیچھے جب تو وہاں سے فراغت کر کے آیا اور
میرے روبرو عذر حاضری کا شرمندگی سے لایا، میں نے تیری تشفی کے لئے
فرمایا، کچھ مضائقہ نہیں، جب اُس نے رضا دی تب تو آیا۔ لیکن بے شرمی

خوب نہیں کہ دوسرے کا احسان اپنے سر پر رکھیئے اور اُس کا بدلا نہ کیجئے
اب تو بھی جا کر اس کی استدعا کر، اور اپنے ساتھ ہی ساتھ لے آ۔ جب تو
اُس کے گھر کو گیا تب میں نے دیکھا کہ یہاں کچھ اسباب مہمانداری کا تیار
نہیں، اگر وہ آجائے تو کیا کروں؟ لیکن یہ فرصت پائی کہ اس ملک میں
قدیم سے پادشاہوں کا یہ معمول ہے، کہ آٹھ مہینے کاروبار ملکی اور مالی کے
واسطے باہر رہتے ہیں اور چار مہینے موسم برسات کے قلعۂ مبارک میں جلوس
فرماتے ہیں۔ اُن دنوں دو چار مہینے سے پادشاہ یعنی ولی نعمت مجھ بدبخت
کے بندوبست کی خاطر ملک میں تشریف لے گئے تھے۔

جب تک تو اُس جوان کو ساتھ لے کر آئے سیدی بہار نے میرا احوال
پادشاہ بیگم کی (جو میری والدہ ہیں) خدمت میں عرض کیا۔ پھر میں اپنی خطا
اور گناہ سے خجل ہو کر اُن کے روبرو جا کھڑی ہوئی اور جو سرگذشت تھی سب
بیان کی۔ ہرچند اُنھوں نے میرے غائب ہونے کی کیفیت دوراندیشی اور
مہرمادری سے چھپا رکھی تھی کہ خدا جانے اس کا انجام کیا ہو، ابھی یہ رسوائی
ظاہر کرنی خوب نہیں، میرے بدلے میرے عیبوں کو اپنے پیٹ میں رکھ چھوڑا
تھا۔ لیکن میری تلاش میں تھیں۔ جب مجھے اس حالت میں دیکھا اور سب
ماجرا سنا آنسو بھر لائیں اور فرمایا، اے کم بخت! تو نے جان بوجھ کر نام و نشان
بادشاہت کا سارا کھویا، ہزار افسوس! اور اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھویا۔
اب بھی توبہ کر، جو قسمت میں تھا سو ہوا، اب آگے کیا کرے گی؟ میں نے
نہایت شرمندگی سے کہا کہ مجھ بے حیا کے نصیبوں میں یہی لکھا، جو اس بدنامی

اور خرابی میں ایسی ایسی آفتوں سے بچ کر جیتی رہوں۔ اِس سے مرنا ہی بھلا تھا، پر ایسا کام نہیں کیا جس میں ماں باپ کے نام کو عیب لگے۔

اب یہ بڑا دکھ ہے کہ وہ دونوں بے حیا میرے ہاتھ سے بچ جائیں، اور آپس میں رنگ رلیاں منائیں اور مَیں اُن کے ہاتھوں سے یہ کچھ دکھ دیکھوں۔ حیف ہے کہ مجھ سے کچھ نہ ہو سکے۔ امیدوار ہوں کہ خانساماں کو پردانگی ہو، تو اسباب ضیافت کا بخوبی تیار کرے تو میں دعوت کے بہانے سے اُن دونوں بدبختوں کو بُلوا کر اُن کے عملوں کی سزا دوں، اور اپنا عوض لوں جس طرح اُس نے مجھ پر ہاتھ چھوڑا، اور گھائل کیا میں بھی دونوں کے پُرزے پُرزے کروں، تب میرا کلیجا ٹھنڈا ہو، یہ سُن کر اماں نے مہربان ہو کر میری عیب پوشی کی اور سارا لوازمہ ضیافت کا اُسی خواجہ سرا کے ساتھ (جو میرا محرم ہے) کر دیا۔ سب اپنے اپنے کارخانے میں آکر حاضر ہوئے شام کے وقت تو اُس موئے کو لے کر آیا، مجھے اُس باندی کا بھی آنا منظور تھا۔

چنانچہ پھر تجھ کو تاکید کر کے، اُسے بھی بُلوایا۔ جب وہ بھی آئی اور مجلس جمی شراب پی پی کر سب بدمست اور بے ہوش ہوئے میں نے حکم کیا کہ اُن دونوں کا سر تلوار سے کاٹ ڈالیں۔ ایک دم میں شمشیر نکال کر دونوں کے سر کاٹ بدن لال کر دیئے گئے اور تجھ پر غصہ کا یہ باعث تھا، کہ میں نے اجازت ضیافت کی دی تھی، نہ دو دن کی دوستی پر اعتماد کر کے شریک مے خوری کا ہو۔ غرض یہ تیری حماقت ہمیں پسند نہ آئی۔ اس واسطے کہ جب تو پی کر بے ہوش ہوا، تب توقع رفاقت کی تجھ سے کیا رہی؟

پر تیری خدمت کے حق میری گردن پر ایسے ہیں، کہ جو تجھ سے ایسی حرکت ہوتی ہے تو معاف کرتی ہوں۔ لے میں نے اپنی حقیقت ابتدا سے انتہا تک کہہ سُنائی، اب بھی دل میں کچھ اور ہوس باقی ہے؟ جیسے میں نے تیری خاطر کر کے تیرے کہنے کو سب طرح قبول کیا، تو بھی میرا فرمانا اسی صورت سے عمل میں لا۔ صلاح وقت یہ ہے کہ اب اس شہر میں رہنا میرے اور تیرے حق میں بھلا نہیں۔ آگے تو مختار ہے۔

شہزادی اتنا فرما کر چپ رہی۔ فقیر تو دل و جان سے اس کے حکم کو سب چیز پر مقدم جانتا تھا، اور اس کی محبت کے جال میں پھنسا تھا، بولا جو مرضیِ مبارک میں آئے سو بہتر ہے، یہ فدوی بے عذر بجا لائے گا۔ جب شہزادی نے مجھے اپنا پورا فرماں بردار و خدمتگار سمجھا، فرمایا دو گھوڑے چالاک اور جانباز (کہ چلنے میں ہوا سے باتیں کریں) بادشاہ کے خاص اصطبل سے منگوا کر تیار رکھ۔ میں نے ویسے ہی گھوڑے چُن کر زین بندھوا کر منگوائے۔ جب تھوڑی سی رات باقی رہی، بادشاہ زادی مردانہ لباس پہن اور پانچوں ہتھیار باندھ کر ایک گھوڑے پر سوار ہوئی اور دوسرے پر میں مسلح ہو کر چڑھ بیٹھا اور ایک طرف کی راہ لی۔

کبھی ملکہ کچھ کچھ باتیں کرتی اور یوں کہتی، کہ ہم نے تیری خاطر شرم، حیا ملک، مال، ماں اور باپ سب چھوڑا، ایسا نہ ہو کہ تو بھی اُس ظالم بے وفا کی طرح سلوک کرے۔ کبھی میں کچھ احوال اِدھر اُدھر کا راہ کٹنے کے لئے کہتا، اور اس کا جواب دیتا کہ پادشاہزادی! سب آدمی ایک سے نہیں ہوتے۔ اُس

پاجی سے ایسی حرکت واقع ہوئی اور میں نے جان و مال تم پر تصدق کیا، اور تم نے مجھے ہر طرح سرفرازی بخشی۔ اب میں بندہ بغیر داموں کا ہوں، میرے چمڑے کی اگر جوتیاں بنوا کر پہنو، تو میں آہ نہ کروں۔ ایسی ایسی باتیں باہم ہوتی تھیں۔ اور رات دن چلنے سے کام تھا، ماندگی کے سبب کہیں اُترتے تو جنگل کے چرند پرند شکار کرتے۔ حلال کر کے بھون بھان کر کھا لیتے، اور گھوڑوں کو چھوڑ دیتے۔ وہ اپنے منہ سے گھاس پات چگ کر اپنا پیٹ بھر لیتے۔

ایک روز ایسے میدان میں جا نکلے کہ جہاں بستی کا نام نہ تھا اور آدمی کی صورت نظر نہ آتی تھی، اس پر بھی بادشاہزادی کی رفاقت کے سبب سے دن عید اور رات شب برات معلوم ہوتی تھی۔ جاتے جاتے ایک دریا (کہ جس کے دیکھنے سے کلیجا پانی ہو) راہ میں ملا۔ کنارے پر کھڑے ہو کر جو دیکھا تو جہاں تک نگاہ نے کام کیا، پانی ہی تھا۔ یا الٰہی! اب اس سمندر سے کیونکر پار اُتریں! ایک دم اِسی سوچ میں کھڑے رہے۔ آخر یہ دل میں لہرائی، کہ ملکہ کو یہیں بٹھا کر میں تلاش میں ناؤ نواڑی کے جاؤں، جب تک اسباب گذارے کا ہاتھ آئے، وہ نازنین بھی آرام پائے۔ تب میں نے کہا، ای ملکہ! اگر حکم ہو تو گھاٹ باٹ اس دریا کا دیکھوں۔ فرمانے لگی میں بہت تھک گئی ہوں اور بھوکی پیاسی ہو رہی ہوں میں ذرا دم لے لوں جب تک تو پار چلنے کی کچھ تدبیر کر۔

اُس جگہ ایک درخت پیپل کا تھا بڑا، چھتر باندھے ہوئے، کہ اگر ہزار سوار

آئے تو دھوپ اور مینھ میں اس کے تلے آرام پائے۔ وہاں اس کو بٹھا کر چلا اور چاروں طرف دیکھتا تھا کہ کہیں بھی زمین یا دریا میں انسان کا نشان نہ پایا۔ آخر مایوس ہو کر وہاں سے پھر آیا، تو اُس پری کو پیڑ کے نیچے نہ پایا۔ اُس وقت کی حالت کیا کہوں؟ دیوانہ باؤلا ہو گیا۔ کبھی درخت پر چڑھ جاتا اور ڈال ڈال پات پات پھرتا، کبھی ہاتھ پاؤں چھوڑ کر زمین میں گرتا اور اُس درخت کی جڑ کے آس پاس تصدق ہوتا، کبھی اپنی بے بسی پر روتا۔ کبھی مشرق سے مغرب کو دوڑا جاتا، غرض بہتیری خاک چھانی لیکن اُس گوہرِ نایاب کی نشانی نہ پائی۔ جب میرا کچھ بس نہ چلا تب روتا اور سر پر خاک اُڑاتا ہوا ہر جگہ تلاش کرنے لگا۔

دل میں یہ خیال آیا کہ شاید کوئی جن اُس پری کو اُٹھا لے گیا اور مجھے یہ داغ دے گیا یا اُس کے ملک سے کوئی اُس کے پیچھے لگا چلا آیا تھا۔ اس وقت اکیلا پا کر منا منو کر پھر شام کی طرف لے اُبھرا۔ ایسے خیالوں میں گھبرا کر کپڑے وپڑے پھینک پھانک دئے۔ ننگا منگا فقیر بن کر شام کے ملک میں صبح سے شام تک ڈھونڈھتا پھرتا اور رات کو کہیں پڑ رہتا۔ سارا جہاں روند مارا پر اپنی بادشاہزادی کا نام ونشان کسی سے نہ سنا، نہ سبب غائب ہونے کا معلوم ہوا۔ تب دل میں یہ آیا کہ جب اُس جان کا تو نے کچھ پتہ نہ پایا تو اب جینا بھی حیف ہے۔ کسی جنگل میں ایک پہاڑ نظر آیا، تب اُس پر چڑھ گیا، اور یہ ارادہ کیا کہ خود کو گرا دوں کہ ایک دم میں سر منہ پتھروں سے ٹکراتے ٹکراتے پھوٹ جائے گا تو ایسی مصیبت سے جی چھوٹ جائے گا۔

یہ دل میں کہہ کر چاہتا ہوں کہ خود کو گراؤں، بلکہ پاؤں بھی اُٹھ چکے تھے کہ کسی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اتنے میں ہوش آگیا، دیکھتا ہوں تو ایک سوار سبز پوش منہ پر نقاب ڈالے مجھے فرماتا ہے کہ کیوں تو اپنے مرنے کا قصد کرتا ہے؟ خدا کے فضل سے نا اُمید ہونا کفر ہے۔ جب تک سانس ہے، آس ہے۔ اب تھوڑے دنوں میں روم کے مُلک میں تین درویش ایسی ہی مصیبت میں پھنسے ہوئے اور ایسے ہی تماشے دیکھے ہوئے تجھ سے ملاقات کریں گے۔ اور وہاں کے بادشاہ کا نام آزاد بخت ہے، اُس کو بھی ایک بڑی مشکل درپیش ہے۔ جب وہ بھی تم چاروں فقیروں کے ساتھ ملے گا، تو ہر ایک کے دل کا مطلب اور مراد جو ہے، بہ خوبی حاصل ہو گی۔

میں نے رکاب پکڑ کر بوسہ دیا اور کہا، اے خدا کے ولی! تمہارے اتنے ہی فرمانے سے میرے دلِ پُر اضطرار کو تسلی ہوئی، لیکن خدا کے واسطے یہ فرمایئے کہ آپ کون ہیں اور اسمِ شریف کیا ہے؟ تب اُنھوں نے فرمایا کہ میرا نام مرتضیٰ علی ہے اور میرا یہی کام ہے، کہ جس کو جو مشکل پیش آئے تو میں اُس کو آسان کر دوں۔ اتنا فرما کر نظروں سے پوشیدہ ہو گئے۔ بارے اس فقیر نے اپنے مولا مشکل کشا کی بشارت سے خاطر جمع کر قسطنطنیہ کا قصد کیا راہ میں جو کچھ مصیبتیں قسمت میں لکھی تھیں کھینچتا ہوا اُس پادشاہزادی کی ملاقات کے بھروسے خدا کے فضل سے یہاں تک آپہنچا اور اپنی خوش نصیبی سے تمہاری خدمت میں مشرف ہوا۔ ہماری تمہاری آپس میں ملاقات تو ہوئی، باہم صحبت اور بات چیت میسّر آئی۔ اب چاہیئے کہ پادشاہ آزاد بخت سے بھی

روشناس اور جان پہچان ہو۔

اس کے بعد یقیناً ہم پانچوں اپنے مقصد دلی کو پہنچیں گے۔ تم بھی دعا مانگو اور آمین کہو۔ اِس حیران سرگردان کی سرگذشت یہ تھی جو کہہ سُنائی، اب آگے دیکھیئے کب یہ محنت اور غم ہمارا، پادشاہزادی کے ملنے سے خوشی وخرمی سے بدل جائے۔

آزاد بخت ایک کونے میں چُھپا ہوا چپکا دھیان لگائے پہلے درویش کا ماجرا سُن کر خوش ہوا، پھر دوسرے درویش کی حقیقت کو سننے لگا۔

—×—

دوسرے درویش کی سیر

جب دوسرے درویش کے کہنے کی نوبت پہنچی، وہ چار زانو ہو بیٹھا، اور بولا:-

اے یارو! اِس فقیر کا ٹک ماجرا سنو — میں ابتدا سے کہتا ہوں تا انتہا سنو
جس کا علاج کر نہیں سکتا کوئی حکیم — ہیگا ہمارا درد نپٹ لا دوا سُنو

یہ عاجز فارس کے ملک کا پادشاہزادہ ہے۔ ہر فن کے آدمی وہاں پیدا ہوتے ہیں۔ ساتوں اقلیموں میں اس اقلیم کے برابر کوئی ولایت نہیں، آب و ہوا وہاں کی خوش اور لوگ خوش طبع اور صاحب سلیقہ ہوتے ہیں۔ میرے قبلہ گاہ نے (جو پادشاہ اس ملک کے تھے) لڑکپن سے قانون سلطنت کی تربیت کرنے کے واسطے بڑے بڑے دانا استاد ہر علم کے چن کر میری اتالیقی کے لئے مقرر کئے تھے۔ خدا کے فضل سے چودہ برس کے سن و سال میں سب علم سے ماہر ہوا۔ گفتگو معقول، نشست و برخاست پسندیدہ اور جو کچھ پادشاہوں کو لائق اور درکار ہے سب حاصل کیا اور یہی شوق شب و روز تھا کہ قابلوں کی صحبت میں قصے ہر ایک ملک کے اور احوال پادشاہوں اور نام آوروں کا سنا کروں۔

ایک روز ایک مصاحب نے کہ خوب تاریخ داں اور جہاندیدہ تھا بیان کیا کہ اگرچہ آدمی کی زندگی کا کچھ بھروسا نہیں۔ لیکن اکثر وصف ایسے

ہیں کہ اُن کے سبب سے انسان کا نام قیامت تک زبانوں پر بخوبی چلا جائے گا۔ میں نے کہا، اگر تھوڑا سا احوال اُس کا بیان کرو تو میں بھی سنوں اور اُس پر عمل کروں۔ تب وہ شخص حاتم طائی کا ماجرا اس طرح سے کہنے لگا کہ حاتم کے زمانے میں ایک بادشاہ عرب کا نوفل نام تھا اُس کو حاتم کے ساتھ بسبب نام آوری کے دشمنی ہوئی۔ بہت سا لشکر جمع کر کے لڑائی کی خاطر چڑھ آیا، حاتم تو خدا ترس اور نیک مرد تھا، یہ سمجھا کہ اگر مَیں بھی جنگ کی تیاری کروں، تو خدا کے بندے مارے جائیں گے، اس کا عذاب میرے نام لکھا جائے گا۔ یہ بات سوچ کر تنِ تنہا اپنی جان لے کر ایک پہاڑ کی کھوہ میں جا چھپا۔ جب حاتم کے غائب ہونے کی خبر نوفل کو معلوم ہوئی سب اسباب گھر بار، حاتم کا قرق کیا اور منادی کرا دی کہ جو کوئی حاتم کو پکڑ لائے، پانسو اشرفی بادشاہ کی سرکار سے انعام پائے یہ سُن کر سب کو لالچ آیا اور حاتم کی جستجو کرنے لگے۔

ایک دن ایک بوڑھا اور اس کی بڑھیا دو تین چھوٹے چھوٹے بچے ساتھ لئے ہوئے لکڑیاں توڑنے کے واسطے اُس غار کے پاس جہاں حاتم پوشیدہ تھا پہنچے اور لکڑیاں اُس جنگل سے چننے لگے۔ بڑھیا بولی اگر ہمارے دن کچھ بھلے آتے، تو حاتم کو کہیں ہم دیکھ پاتے اور اُس کو پکڑ کر نوفل کے پاس لے جاتے تو وہ پانچ سو اشرفی دیتا اور ہم آرام سے کھاتے، اس دکھ دھندے سے چھوٹ جاتے۔ بوڑھے نے کہا کیا ٹرٹر کرتی ہے؟ ہماری قسمت میں یہی لکھا ہے کہ روز لکڑیاں توڑیں اور سر پر دھر کر بازار میں بیچیں۔

تب روٹی میسّر آئے، یا ایک روز جنگل سے باگھ لے جائے۔ لے اپنا کام کر ہمارے ہاتھ حاتم کیوں آئے گا اور پادشاہ اتنے روپے دلائے گا؟ عورت نے ٹھنڈی سانس بھری اور چپکی ہو رہی۔

ان دونوں کی باتیں حاتم نے سنیں، آدمیت اور مروّت سے بعید جانا کہ خود کو چھپائے اور جان کو بچائے اور ان دونوں بیچاروں کو مطلب تک نہ پہنچائے۔ سچ ہے اگر آدمی میں رحم نہیں تو وہ انسان نہیں اور جس کے جی میں درد نہیں وہ قصائی ہے۔

غرض حاتم کی جواں مردی نے نہ قبول کیا کہ اپنے کانوں سے سُن کر چپکا ہو رہے۔ باہر نکل آیا اور اُس بوڑھے سے کہا، کہ اے عزیز! حاتم میں ہی ہوں، مجھے نوفل کے پاس لے چل، وہ مجھے دیکھے گا اور جو کچھ روپے دینے کا اقرار کیا ہے، تجھے دیگا۔ بوڑھے نے کہا سچ ہے کہ اس صورت میں بھلائی اور بہبودی میری ہے، لیکن وہ کیا جانے تجھ سے کیا سلوک کرے؟ اگر مار ڈالے تو میں کیا کروں؟ یہ مجھ سے ہرگز نہ ہو سکے گا کہ تجھ کو اپنی طمع کی خاطر دشمن کے حوالے کروں۔ وہ مال کتے دن کھاؤں گا اور کب تک جیونگا؟ آخر مر جاؤں گا تب خدا کو کیا جواب دونگا؟ حاتم نے بہتیری منت کی۔ کہ مجھے لے چل، میں اپنی خوشی سے کہتا ہوں اور ہمیشہ اسی آرزو میں رہتا ہوں، کہ میرا جان و مال کسی کے کام آئے تو بہتر ہے۔ لیکن وہ بوڑھا کسی طرح راضی نہ ہوا کہ حاتم کو لیجائے اور انعام پائے۔ آخر لاچار ہو کر حاتم نے کہا اگر تو مجھے یوں نہیں لیجاتا، تو میں آپ سے آپ پادشاہ پاس جا کر کہتا ہوں کہ اس

بوڑھے نے مجھے جنگل میں ایک پہاڑ کی کھوہ میں چھپا رکھا تھا۔ وہ بوڑھا ہنسا اور بولا، بھلائی کے بدلے بُرائی ملی، تو یا نصیب! اس سوال وجواب میں آدمی اور بھی آپہنچے، بھیڑ لگ گئی۔ اُنھوں نے معلوم کیا کہ حاتم یہی ہے، فوراً پکڑ لیا اور حاتم کو لے چلے۔ وہ بوڑھا بھی افسوس کرتا ہوا پیچھے پیچھے ساتھ ہولیا۔ جب نوفل کے روبرو لے گئے، اُس نے پوچھا کہ اس کو کون پکڑ لایا؟ ایک بدذات سنگدل بولا کہ ایسا کام سوائے ہمارے اور کون کرسکتا ہے یہ فتح ہمارے نام ہے۔ ایک اور شخص ڈینگ مارنے لگا کہ میں کئی دن سے دوڑ دھوپ کر جنگل سے پکڑ لایا ہوں، میری محنت پر نظر کیجئے۔ اور جو قرار ہے۔ سو دیجئے۔ اسی طرح اشرفیوں کے لالچ سے ہر کوئی کہتا تھا کہ یہ کام مجھ سے ہوا۔ وہ بوڑھا چپکا ایک کونے میں لگا ہوا سب کی شیخیاں سُن رہا تھا، اور حاتم کی خاطر کھڑا روتا تھا۔ جب اپنی اپنی دلاوری اور مردانگی سب کہہ چکے، تب حاتم نے بادشاہ سے کہا، اگر سچ بات پوچھو تو یہ ہے کہ وہ بوڑھا جو الگ سب سے کھڑا ہے مجھ کو لایا ہے۔ اگر قیافہ جانتے ہو تو دریافت کرو، اور میرے پکڑنے کی خاطر جو قول کیا ہے پورا کرو، مرد کو چاہئے جو کہے سو کرے، نہیں تو زبان حیوان کو بھی خدا نے دی ہے، پھر حیوان اور انسان میں کیا تفاوت ہے۔

نوفل نے اُس لکڑہارے بوڑھے کو پاس بلا کر پوچھا، کہ سچ کہہ اصل کیا ہے؟ حاتم کو کون پکڑ لایا؟ اُس بچارے نے سر سے پاؤں تک جو گذرا تھا راست کہہ سنایا اور کہا کہ حاتم میری خاطر آپ سے آپ چلا آیا ہے۔ نوفل یہ ہمت حاتم کی سُن کر متعجب ہوا کہ واہ رے! تیری سخاوت اپنی جان

کا بھی خطرہ نہ کیا۔ جتنے لوگ حاتم کے پکڑ لانے کے جھوٹے دعوے کرتے تھے، حکم دیا کہ پان سو اشرفی کے بدلے پان پان سَے جوتیاں اُن کے سر پر لگاؤ کہ اُن کی بھی جان نکل پڑے۔ وہیں تڑ تڑ پیزاریں پڑنے لگیں کہ ایک دم میں سر اُن کے گنجے ہو گئے۔ سچ ہے، جھوٹ بولنا ایسا ہی گناہ ہے کہ کوئی گناہ اُس کو نہیں پہنچتا، خدا سب کو اس بلا سے محفوظ رکھے اور جھوٹ بولنے کا چسکا نہ دے۔ بہت آدمی جھوٹ موٹ بکے جاتے ہیں لیکن آزمائش کے وقت سزا پاتے ہیں۔

غرض اُن سب کو موافق اُن کے انعام دے کر، نوفل نے اپنے دل میں خیال کیا کہ حاتم جیسے شخص سے (کہ ایک عالم کو اُس سے فیض پہنچتا ہے اور محتاجوں کی خاطر جان اپنی دریغ نہیں کرتا، اور خدا کی راہ میں سر تا پا حاضر ہے) دشمنی رکھنی اور اُس کا مدّعی ہونا آدمیت اور جوانمردی سے بعید ہے فوراً حاتم کا ہاتھ بڑی دوستی اور گرم جوشی سے پکڑ لیا اور تعظیم کر کے پاس بٹھایا اور حاتم کا ملک و املاک، مال و اسباب جو کچھ ضبط کیا تھا، اسی طرح چھوڑ دیا۔ نئے سر سے سرداری قبیلۂ طے کی اُسے دی اور اُس بوڑھے کو پانچ سو اشرفیاں اپنے خزانے سے دلوا دیں۔ وہ دعا دیتا ہوا چلا گیا۔

جب یہ ماجرا حاتم کا میں نے تمام سُنا، جی میں غیرت آئی اور یہ خیال گذرا کہ حاتم اپنی قوم کا فقط رئیس تھا جس نے ایک سخاوت کے باعث یہ نام پیدا کیا کہ آج تک مشہور ہے۔ میں خدا کے فضل سے تمام ایران کا بادشاہ ہوں، اگر اس نعمت سے محروم رہوں تو بڑا افسوس ہے۔ فی الواقع دُنیا

میں کوئی کام بڑا داد و دہش سے نہیں، اس واسطے کہ آدمی جو کچھ دُنیا میں دیتا ہے، اس کا عوض عاقبت میں لیتا ہے۔ اگر کوئی ایک دانہ بوتا ہے، تو اُس سے بہت کچھ پیدا ہوتا ہے؟ یہ بات دل میں ٹھہرا کر میرِ عمارت کو بلوا کر حکم کیا کہ ایک مکان عالی شان جس کے چالیس دروازے بلند اور بہت کشادہ ہوں باہر شہر کے جلد بنواؤ۔ تھوڑے عرصے میں ویسی عمارت وسیع جیسا دل چاہتا تھا، بن کر تیار ہوئی اور اس مکان میں ہر روز ہر وقت فجر سے شام تک محتاجوں اور بیکسوں کو روپے، اشرفیاں دیتا اور جو کوئی جس چیز کا سوال کرتا، میں اُسے مالا مال کرتا۔

غرض چالیس دروازوں سے حاجتمند آتے اور جو چاہتے سو لے جاتے۔ ایک روز کا یہ ذکر ہے کہ ایک فقیر سامنے کے دروازے سے آیا، اور سوال کیا۔ میں نے اُسے ایک اشرفی دی، دوسرے دروازے سے ہو کر آیا، دو اشرفیاں مانگیں، میں نے پہچان کر درگذر کی اور دیں۔ اسی طرح اُس نے ہر ایک دروازے سے آنا اور ایک ایک اشرفی بڑھانا شروع کیا اور میں بھی جان بوجھ کر انجان ہوا اور اُس کے سوال کے موافق دیا کیا۔ آخر چالیسویں دروازے کی راہ سے آکر چالیس اشرفیاں مانگیں۔ وہ بھی میں نے دلوا دیں۔ اتنا کچھ لے کر وہ فقیر پھر پہلے دروازے سے گھس آیا اور سوال کیا۔ مجھے بہت بُرا معلوم ہوا، میں نے کہا سُن اے لالچی! تو کیسا فقیر ہے کہ ہرگز فقر کے تینوں حرفوں سے بھی واقف نہیں؟ فقیر کا عمل اُن پر چاہیئے فقیر بولا۔ بھلا داتا! تمھیں بتاؤ۔ میں نے کہا، ف سے فاقہ، ق سے قناعت

ر سے ریاضت نکلتی ہے۔ جس میں یہ باتیں نہ ہوں وہ فقیر نہیں۔ اتنا جو تجھے مِلا ہے، اُس کو کھا پی کر پھر آ اور جو مانگے گا لیجا۔ یہ خیرات احتیاج رفع کرنے کے واسطے ہے، نہ جمع کرنے کے لئے، اے حریص! چالیس دروازوں سے تو نے ایک سے چالیس اشرفیوں تک لیں، اُس کا حساب تو کر کتنی اشرفیاں ہوئیں اور اِس پر بھی تجھے حرص پھر پہلے دروازے سے لے آئی۔ اتنا مال جمع کر کے کیا کرے گا؟ فقیر کو چاہیئے کہ ایک روز کی فکر کرے، دوسرے دن پھر نئی روزی رزّاق دینے والا موجود ہے۔ اب حیا و شرم پکڑ اور صبر و قناعت کو کام فرما۔ یہ کیسی فقیری ہے جو تجھے مرشد نے بتائی۔

یہ میری بات سن کر خفا ہوا اور جتنا مجھ سے لیا تھا، سب زمین میں ڈال دیا اور بولا، بس بابا! اتنے گرم مت ہو۔ اپنی کائنات لے کر رکھ چھوڑو، پھر سخاوت کا نام نہ لو۔ سخی ہونا بہت مشکل ہے۔ تم سخاوت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ اس منزل کو کب پہنچو گے؟ ابھی وِتی دور ہے۔ سخی کے بھی تین حرف ہیں، پہلے اُن پر عمل کرو۔ تب تو میں ڈرا اور کہا بھلا وتا! اس کے معنے مجھے سمجھاؤ۔ کہنے لگا، اسؔ سے سمائی، اور خؔ سے خوفِ الٰہی اور یؔ سے یاد رکھنا اپنی پیدائش اور مرنے کو۔ جب تک اتنا نہ ہو لے تو سخاوت کا نام نہ لے اور سخی کا یہ درجہ ہے کہ اگر بدکار ہو تو بھی دوست خدا کا ہے، اس فقیر نے بہت ملکوں کی سیر کی ہے، لیکن سوائے بصرے کی پادشاہزادی کے کوئی سخی دیکھنے میں نہ آیا۔ سخاوت کا جامہ خدا نے اس عورت پر قطع کیا ہے۔ اور سب نام چاہتے ہیں پر ویسا کام نہیں کرتے

یہ سُن کر میں نے بہت منّت کی اور قسمیں دیں کہ میری خطا معاف کرو اور جو چاہو سو لو۔ میرا دیا ہر گز نہ لیا، اور یہ کہتا ہوا چلا، اب اگر اپنی ساری بادشاہت مجھے دے تو اُس پر بھی نہ تھوکوں۔ وہ تو چلا گیا پر بصرے کی بادشاہزادی کی یہ تعریف سننے سے دل بکل ہوا کسی طرح کل نہ تھی۔ اب یہ آرزو ہوئی کہ کسی صورت سے بصرے چل کر اس کو دیکھا چاہئے۔

اس عرصے میں بادشاہ نے وفات پائی اور تخت پر میں بیٹھا، سلطنت ملی پر وہ خیال نہ گیا۔ وزیروں اور امیروں سے مشورت کی کہ بصرے کا سفر کرنا چاہتا ہوں تم اپنے کام میں مستعد رہو، اگر زندگی ہے تو سفر کی عمر کوتاہ ہوگی ہے۔ جلد پھر آتا ہوں۔ کوئی میرے جانے پر راضی نہ ہوا، لاچار دل تو اُداس ہو رہا تھا۔ ایک دن بغیر سب کے کہے سُنے چپکے وزیر باتدبیر کو بلا کر مختار اور وکیل مطلق اپنا کیا اور سلطنت کا مدارالمہام بنایا۔ پھر میں نے فقیری بھیس کر اکیلے راہ بصرے کی لی۔ تھوڑے دنوں میں اُس کی سرحد میں جا پہنچا۔ تب سے یہ تماشا دیکھنے لگا، کہ جہاں رات کو جا کر مقام کرتا، نوکر چاکر اُسی ملکہ کے استقبال کر کے ایک مکان معقول میں اتارتے۔ اور جتنا لوازمہ ضیافت کا ہوتا ہے بخوبی حاضر کرتے اور خدمت میں دست بستہ تمام رات حاضر رہتے دوسرے دن دوسری منزل میں یہی صورت پیش آتی۔ اس آرام سے مہینوں کی راہ طے کی، آخر بصرے میں داخل ہوا۔ ایک جوان شکیل خوش لباس نیک خو صاحب مروّت (کہ دانائی اس کے قیافے سے ظاہر تھی) میرے پاس آیا اور شیریں زبانی سے کہنے لگا، کہ میں فقیروں کا خادم ہوں، ہمیشہ اِسی تلاش میں

رہتا ہوں کہ جو کوئی مسافر، فقیر یا دنیا دار اس شہر میں آئے، میرے گھر میں
قدم رنجہ فرمائے، سوائے ایک مکان کے یہاں بدیسی کے رہنے کی جگہ نہیں
ہے۔ آپ تشریف لے چلئے اور اُس مقام کو زینت بخشیئے اور مجھے سرفراز کیجئے۔
فقیر نے پوچھا۔ صاحب کا اسم شریف کیا ہے؟ بولا اس گمنام کو بیدار بخت
کہتے ہیں۔ اُس کی خوبی اور خوشامد دیکھ کر یہ عاجز اُس کے ساتھ چلا اور اس
کے مکان میں گیا۔ دیکھا تو ایک عمارتِ عالی لوازمِ شاہانہ سے تیار ہے۔
ایک دالان میں اُس نے لے جاکر بٹھایا اور گرم پانی منگوا کر ہاتھ منہ دھلوائے
اور دسترخوان بچھوا کر مجھ تنِ تنہا کے روبرو ایک تورے کا تورا چُن دیا گیا۔
چار مشقاب ہر ایک میں ایک ایک طرح کا پلاؤ اور کئی طرح کے قلئے دوپیازہ
اور روٹیاں کئی قسم کی، اور کباب، کوفتے، حلیم، ہریسا، سموسے ورقی،
حلوا، فالودہ، لوزیات، رُبّا، اچاردان، یہ نعمتیں دیکھ کر روح بھر گئی۔
جب ایک ایک نوالا ہر ایک سے لیا پیٹ بھی بھر گیا تب ہاتھ کھانے سے کھینچا
اُس شخص نے کہا کہ صاحب نے کیا کھایا؟ کھانا تو سب امانت دھرا
ہے، بے تکلف اور نوش جان فرمائے۔ میں نے کہا کھانے میں شرم کیا
ہے؟ خدا تمہارا خانہ آباد رکھے، جو کچھ میرے پیٹ میں سمایا سو میں نے
کھایا، اور ذائقے کی اس کی کیا تعریف کروں؟ کہ اب تک زبان چاٹتا ہوں
جب دسترخوان اٹھا، چلمچی آفتابہ طلائی لاکر بین دان میں سے خوشبو بین
دے کر گرم پانی سے میرے ہاتھ دُھلائے۔ پھر پان دان جڑاؤ میں گلوریاں
بندھی ہوئیں، چکنی سپیاریاں، لونگ اور الائچیاں روپے کے ورقوں میں

مڑھی ہوئیں لاکر رکھیں۔ جب میں پانی پینے کو مانگتا تب صراحی برف میں لگی ہوئی آبدار لے آتا۔ جب شام ہوئی فانوسوں میں کافوری شمعیں روشن ہوئیں وہ عزیز بیٹھا ہوا باتیں کرتا رہا۔ جب پہر رات گئی، بولا اب اس چھپر کھٹ میں آرام کیجیے۔ فقیر نے کہا، اے صاحب! ہم فقیروں کو ایک بوریا بستر کے لئے بہت ہے، یہ خدا نے تم دنیا داروں کے واسطے بنایا ہے۔

کہنے لگا، یہ سب اسباب درویشوں کی خاطر ہے، کچھ میرا مال نہیں ہے اس کے اصرار سے اُن بچھونوں پر (کہ پھولوں کی سیج سے بھی زیادہ نرم تھے) جا کر لیٹا۔ دونوں پٹیوں کی طرف گلدان اور چنگیریں پھولوں کی چُنی ہوئیں تھیں جدھر کروٹ لیتا، دماغ معطّر ہو جاتا۔ اس عالم میں سو رہا۔ جب صبح ہوئی ناشتے کو بھی بادام، پستے، انگور، انجیر، ناشپاتی، انار، کشمش، چھہارے اور میوے کا شربت لا حاضر کیا۔ اِسی طور سے تین دن رات رہا، چوتھے روز میں نے رخصت مانگی۔ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا، شاید اس گنہگار سے صاحب کی خدمت گاری میں کچھ قصور ہوا کہ جس کے باعث مزاج مکدّر ہوا! میں نے حیران ہو کر کہا، برائے خدا یہ کیا مذکور ہے؟ لیکن مہمانی کی شرط تین دن تک ہے۔ سو میں رہا، زیادہ رہنا خوب نہیں۔ اور علاوہ یہ فقیر واسطے سیر کے نکلا ہے — ایک ہی جگہ رہنا مناسب نہیں، اس لئے اجازت چاہتا ہوں نہیں تو تمہاری خوبیاں ایسی نہیں کہ جدا ہونے کو جی چاہے۔

تب بولا جیسی مرضی، لیکن ایک ساعت توقف کیجئے کہ بادشاہزادی کے حضور میں جا کر عرض کروں اور تم جو جانا چاہتے ہو، تو جو کچھ اسباب

اوڑھنے بچھانے کا اور کھانے کے برتن اس مہمان خانے میں ہیں یہ سب تمہارا مال ہے، اس کے ساتھ لے جانے کی خاطر جو فرماؤ تدبیر کی جائے میں نے کہا، لاحول پڑھو، ہم فقیر نہ ہوئے بھاٹ ہوئے، اگر یہی حرص دل میں ہوتی تو فقیر کاہے کو ہوتے، دنیا داری کیا بُری تھی؟ اُس عزیز نے کہا اگر یہ احوال ملکہ سنے تو خدا جانے مجھے اس خدمت سے تغیر کر کے کیا سلوک کرے، اگر تمہیں ایسی ہی بے پروائی ہے تو ان سب کو ایک کوٹھڑی میں امانت بند کر کے دروازے کو سر بہ مہر کر دو۔ پھر جو چاہو سو کرو۔

میں قبول نہ کرتا تھا اور وہ بھی نہ مانتا تھا، لاچار یہی صلاح ٹھہری کہ سب اسباب کو بند کر کے قفل لگا دیا اور منتظر رخصت کا ہوا، اتنے میں ایک خواجہ سرا معتبر سر پر سر پیچ باندھے، ایک عصا سونے کا جڑاؤ، ہاتھ میں اور ساتھ اُس کے کئی خدمت گار اس شان و شوکت سے میرے نزدیک آیا۔ ایسی ایسی مہربانی اور ملائمت سے گفتگو کرنے لگا کہ جس کا بیان نہیں کر سکتا، پھر بولا کہ اے میاں! اگر توجّہ اور کرم کر کے اس مشتاق کے غریب خانے کو اپنے قدم کی برکت سے رونق بخشو، تو بندہ نوازی اور غربا پروری سے بعید نہیں۔

شاید شہزادی سنے کہ کوئی مسافر یہاں آیا تھا، اُس کی تواضع مدارات کسی نے نہ کی۔ وہ یوں ہی چلا گیا۔ اس واسطے نہ معلوم مجھ پر کیا آفت لائے اور کیسی قیامت اُٹھائے۔ میں نے ان باتوں کو نہ مانا، آخر بہت منتیں کر کے مجھے ایک حویلی میں (کہ پہلے مکان سے بہتر تھی) لے گیا، اُسی پہلے میزبان

کے مانند تین دن رات دونوں وقت ویسے ہی کھانے اور صبح تیسرے پہر شربت اور میوے کھلائے اور برتن نقروی و طلائی، فرش، اسباب اور جو کچھ وہاں تھا، مجھ سے کہنے لگا کہ اِن سب کے تم مالک مختار ہو جو چاہو سو کرو۔

میں یہ باتیں سُن کر حیران ہوا اور چاہا کہ کسی نہ کسی طرح یہاں سے بھاگوں، میرے بشرے کو دیکھ کر وہ بولا، اے خدا کے بندے! جو تیرا مطلب ہو مجھ سے کہہ، تو حضور میں ملکہ کے عرض کروں میں نے کہا، میں فقیری کے لباس میں دنیا کا مال کیا مانگوں کہ تم بغیر مانگے دیتے ہو اور میں انکار کرتا ہوں؛ تب وہ کہنے لگا کہ حرص دنیا کی کسی کے جی سے نہیں گئی۔

میں نے یہ سُن کر جواب دیا کہ سچ ہے، یہ میں کچھ نہیں چاہتا، اگر فرماؤ تو ایک رقعہ سربمُہر اپنے مطلب کا لکھ دوں، جو حضور ملکہ کے پہنچا دو، تو بڑی مہربانی ہے، گویا تمام دنیا کا مال مجھ کو دیا۔ بولا بسر وچشم کیا مضائقہ۔ میں نے ایک رقعہ لکھا، پہلے شکر خدا کا، پھر احوال کہ بندہ خدا کا کئی روز سے اِس شہر میں وارد ہے اور سرکار سے سب طرح کی خبرگیری ہوتی ہے۔ جیسی خوبیاں ملکہ کی سُن کر اشتیاق دیکھنے کا ہوا تھا، اُس سے چار چند پایا۔ اب حضور کے ارکانِ دولت یوں کہتے ہیں کہ جو مطلب اور تمنا تیری ہو سو ظاہر کر اس واسطے بے حجابانہ جو دل کی آرزو ہے سو عرض کرتا ہوں، کہ میں دنیا کے مال کا محتاج نہیں۔ اپنے ملک کا میں بھی پادشاہ ہوں۔ فقط یہاں تک آنا اور محنت اٹھانا آپ کے اشتیاق کے سبب سے ہوا، جو تن تنہا اِس صورت

سے آپہنچا۔ اب امید ہے کہ حضور کی توجہ سے یہ خاک نشین مطلب دلی کو پہنچے، آگے جو مرضی مبارک۔ لیکن اگر یہ التماس خاکسار کا قبول نہ ہوگا تو اِسی طرح خاک چھانتا پھریگا۔

یہی مدعا لکھ کر اُس کو دیا، اُس نے بادشاہزادی تک پہنچایا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا اور مجھے اپنے ساتھ محل پر لے گیا وہاں ایک بوڑھی صاحب لیاقت سنہری کرسی پر گہنا پہنے بیٹھی ہے اور کئی خدمت گار ہاتھ باندھے سامنے کھڑے ہیں۔ میں نے اُسے مختار کُل جان کر سلام کیا۔ اس ماما نے بہت مہربانی سے جواب سلام دیا اور کہا آؤ بیٹھو، خوب ہوا، تم آئے۔ تمہیں نے ملکہ کے اشتیاق کا رقعہ لکھا تھا؟ میں شرم سے سر نیچا کر کے بیٹھا۔

ایک ساعت کے بعد بولی کہ اے جوان! پادشاہزادی نے اس طرح فرمایا ہے کہ مجھ کو خاوند کرنے سے عیب نہیں۔ تم نے میری درخواست کی لیکن اپنی بادشاہت کا بیان کرنا اور فقیری میں اپنے کو پادشاہ سمجھنا اور اس کا غرور کرنا بے جا ہے۔ اس واسطے کہ سب آدمی آپس میں فی الحقیقت ایک ہیں لیکن فضیلت دین اسلام کی البتہ ہے اور میں بھی ایک مدت سے شادی کرنے کی آرزومند ہوں اور جیسے تم دولتِ دنیا سے بے پرواہو مجھے بھی حق تعالیٰ نے اتنا مال دیا ہے کہ جس کا کچھ حساب نہیں۔ پر ایک شرط ہے کہ مہر ادا کرلو اور مہر شہزادی کا ایک بات ہے جو تم سے ہو سکے۔ میں نے کہا سب طرح حاضر ہوں وہ کیا بات ہے؟ تب اُس نے کہا، آج رہ جاؤ، کل تمہیں کہہ دوں گی۔ میں نے خوشی سے قبول کیا اور رخصت ہو کر باہر آیا۔

جب شام ہوئی مجھے ایک خواجہ سرا محل میں بُلا کر لے گیا۔ دیکھا تو عالم
ور فاضل حاضر ہیں، میں بھی جا کر بیٹھا کہ اتنے میں دسترخوان بچھایا گیا، اور
نام اقسام کے شیریں اور نمکین کھانے چنے گئے۔ سب کھانے لگے اور
مجھے بھی تواضع سے شریک کیا۔ جب کھانے سے فراغت ہوئی ایک دائی
ندر سے آئی اور ایک شخص کو بلائی۔ اُس کی صورت بہت مرد آدمی کی سی
ور بہت سی کنجیاں روپے، سونے کی کمر میں لٹکتی ہوئیں۔ سلام علیک کہہ کر
یرے پاس آکر بیٹھا۔ وہی دائی کہنے لگی تو نے جو کچھ دیکھا ہے بیان کر۔
اس نے یہ داستان کہنی شروع کی اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولا،
ے عزیز! ہماری بادشاہزادی کی سرکار میں ہزاروں غلام ہیں کہ سوداگری
کے کام میں متعین ہیں، اُن میں سے ایک میں بھی ادنیٰ خانہ زاد ہوں ہر ایک ملک
کی طرف لاکھوں روپے کا اسباب اور جنس دے کر رخصت فرماتی ہیں،
جب وہ وہاں سے آتا ہے تب اُس سے اس دیس کا احوال اپنے حضور میں
پوچھتی ہیں۔ ایک بار یہ اتفاق ہوا کہ یہ کمترین تجارت کی غرض شہر نیمروز پہنچا،
وہاں سب کا لباس سیاہ ہے اور ہر دم نالہ و آہ ہے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ
بڑی مصیبت پڑی ہے۔ اس کا سبب جس سے میں پوچھتا کوئی جواب میرا
نہ دیتا۔ اِسی حیرت میں کئی روز گذرے۔ ایک دن جب صبح ہوئی، تمام
آدمی چھوٹے، بڑے، امیر اور غریب شہر کے باہر ایک میدان میں جا کر جمع
ہوئے اور اُس مُلک کا پادشاہ بھی سب امیروں کے ساتھ وہاں پہنچا جہاں
سب قطار باندھے کھڑے ہیں۔

میں بھی اُن کے درمیان کھڑا تماشا دیکھ رہا تھا، لیکن یہ معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد ایک خوب صورت جوان پندرہ، سولہ سالہ شور و غل کرتا ہوا (جس کے منہ سے کف جاری تھا۔ زرد بیل پر سوار) پہنچا اور مجمع کے سامنے بیل سے اُتر پڑا، ایک ہاتھ میں ناتھ اور ایک ہاتھ میں ننگی تلوار لے کر دو زانو بیٹھا۔ ایک گل اندام، پری چہرہ اُس کے ہمراہ تھا، اس جوان نے اس کو جو چیز ہاتھ میں دی تھی۔ وہ یتیم نے کر ایک سرے سے ہر ایک کو دکھلاتا اور رُلاتا ہوا اپنے آقا کے پاس پہنچا۔

تب وہ جوان اُٹھا اور اُس غلام کا سر شمشیر سے کاٹ، جدھر سے آیا تھا اُدھر چل دیا۔ مجمع اُس کو غائب ہونے تک دیکھتا رہا اور اس کے بعد شہر کی طرف پھرا۔ میں ہر ایک سے اس ماجرے کی حقیقت پوچھتا رہا لیکن کسی نے نہ بتلایا۔ جب میں یہاں آیا اور ملکہ کے روبرو ظاہر کیا تب سے ملکہ حیران ہے۔ لہٰذا اس نے اپنا مہر یہی مقرر کیا ہے کہ جو شخص اس عجوبے کی خبر لائے، اس کو پسند فرمائے اور وہی ملکہ اور سارے ملک کا مالک ہوگا

یہ ماجرا تم نے سنا۔ اپنے دل میں غور کرو اگر تم اس نوجوان کی خبر لاسکو تو نیمروز کے ملک کا قصد کرو اور جلد روانہ ہو نہیں تو انکار کر کے اپنے گھر کی راہ لو

میں نے جواب دیا کہ اگر خدا چاہا تو جلد اس کی خبر لے کر بادشاہزادی کے پاس آتا ہوں ورنہ میری قسمت بد ہے تو اس کا کچھ علاج نہیں۔ لیکن ملکہ اس کا اقرار کریں کہ وہ اپنے کہنے سے نہیں پھرے گی۔ اور ایک خیال میرے دل میں موج زن ہے کہ ملکہ غریب نوازی سے حضور میں بلائیں

ورپردے کے باہر بٹھلائیں اور میرا التماس اپنے کانوں سنیں اور اُس کا جواب اپنی زبان سے دیں تو میری خاطر جمع ہو اور مجھ سے سب کچھ ہو سکے۔ یہ میرے مطلب کی بات، ماما نے اس ملکہ سے عرض کی، قدردانی سے حکم کیا کہ انھیں بلا لو۔

دائی پھر باہر آئی اور مجھے اپنے ساتھ جس محل میں بادشاہزادی تھی لے گئی کیا دیکھتا ہوں کہ دو رویہ صف باندھے سہیلیاں اور خواصیں کھڑی ہیں۔ بے اختیار ایک آہ، بیخودی سے زبان تک آئی بالآخر کلیجہ کو بزور تھاما۔ اُن کو دیکھتا ہوا آگے چلا، لیکن پاؤں سو، سو من کے ہو گئے جس کو دیکھوں پھر یہ جی نہ چاہے کہ آگے جاؤں۔ ایک طرف چلون پڑی تھی اور مونڈھا جڑاؤ بچھا رکھا تھا اور صندل کی چوکی بھی بچھی تھی۔ دائی نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں مونڈھے پر بیٹھ گیا اور وہ چوکی پر، کہنے لگی، نواب جو کہنا ہے سو جی بھر کر کہو۔

میں نے ملکہ کی خوبیوں کی اور عدل وانصاف، داد و دہش کی پہلے تعریف کی، پھر کہنے لگا، جب سے میں اِس ملک کی سرحد میں آیا، ہر ایک منزل میں یہی دیکھا کہ جابجا مسافر خانے اور عمارتیں عالی بنی ہوئی ہیں اور ہر عہدے کے لوگ متعین ہیں جو مسافروں اور محتاجوں کی خبر گیری کرتے ہیں، مجھے بھی تین تین دن ہر ایک مقام میں گذرے، چوتھے روز جب رخصت ہونے لگا تب بھی کسی نے خوشی سے نہ کہا کہ جاؤ اور جتنا اسباب اُس مکان میں تھا۔ سب میرے حوالے کیا کہ یہ تمہارا مال ہے، چاہو اب لے جاؤ

نہیں تو ایک کوٹھڑی میں بند کرکے اپنی مہر کرو۔ جب تمہاری خوشی ہو گی پھرتے ہوئے لے جانا۔ میں نے یونہیں کیا۔ پر یہ حیرت ہے کہ جب مجھ سے فقیر سے یہ سلوک ہوا، تو ایسے غریب ہزاروں آپ کے ملک میں آتے جاتے ہونگے پس اگر ہر ایک سے یہی مہمانداری کا طور رہتا ہوگا تو روپیہ بے حساب خرچ ہوتا ہوگا۔ اگر گنجِ قارون ہو تو بھی وفا نہ کرے اور ظاہر میں ملکہ کی سلطنت کی آمدنی فقط باورچی خانے کے خرچ کو بھی کفایت نہ کرتی ہوگی۔ اگر اس کا بیان ملکہ کی زبان سے سنوں تو خاطر جمع ہو، قصد نیمروز کا کروں اور سب احوال دریافت کرکے پھر ملکہ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اپنے دل کی مراد پاؤں

یہ سُن کر ملکہ نے اپنی زبان سے کہا کہ اے جوان! اگر تجھے آرزو کمال ہے کہ یہ ماہیت دریافت کرے، تو آج بھی قیام کر، شام کو تجھے حضور میں طلب کرکے جو کچھ احوال اس دولت بے زوال کا ہے بے کم و کاست کہا جائے گا۔ میں یہ تسلی پاکر مکان پر آیا اور منتظر رہا کہ کب شام ہو جو میرا مطلب پورا ہو۔ جب آفتاب غروب ہوا اس وقت دائی آئی اور مجھ سے کہنے لگی کہ چلو پادشاہزادی نے یاد فرمایا ہے۔

میں اس کے ہمراہ ہو لیا، خلوت خاص میں لے گئی اور کہا کہ تم یہاں بیٹھو ملکہ دوسرے مکان میں تشریف رکھتی ہیں، جا کر خبر کروں۔

دائی گئی اور پھر آئی کہ چلو حضور میں، میں اس مکان میں جاتے ہی حیران رہ گیا نہ معلوم ہوا کہ دروازہ کہاں اور دیوار کدھر ہے۔ اس واسطے کہ حلبی آئینے قدِ آدم چاروں طرف لگے تھے۔ ایک کا عکس ایک میں نظر آتا تھا ایک طرف پردہ پڑا

تھا۔ اس کے پیچھے ملکہ بیٹھی تھی۔ وہ دائی پردے سے لگ کر بیٹھی اور بچے بھی بیٹھنے کو کہا، تب دائی ملکہ کے فرمانے سے اِس طور پر بیان کرنے لگی کہ سن اے جوانِ دانا! سلطان اِس اقلیم کا بڑا بادشاہ تھا۔ اُن کے گھر میں سات بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ایک روز بادشاہ نے جشن فرمایا، یہ ساتوں لڑکیاں بادشاہ کے حضور میں کھڑی تھیں۔ سلطان کے جی میں آیا تو بیٹیوں کی طرف دیکھ فرمایا، اگر تمہارا باپ بادشاہ نہ ہوتا اور تم کسی غریب گھر میں پیدا ہوتیں، تو تمہیں بادشاہ زادی اور ملکہ کون کہتا؟ خدا کا شکر کرو کہ شہزادیاں کہلاتی ہو۔ تمہاری یہ ساری خوبی میرے دم سے ہے۔

چھ لڑکیاں ایک زبان ہو کر بولیں کہ جہاں پناہ! جو فرماتے ہیں بجا ہے اور آپ ہی کی سلامتی سے ہماری بھلائی ہے۔ لیکن یہ ملکہ جہاں سب بہنوں سے چھوٹی تھیں، پر عقل و شعور میں سب سے بڑی تھیں چپکی کھڑی رہیں۔ اس گفتگو میں بہنوں کی شریک نہ ہوئیں۔ اس واسطے کہ یہ کلمہ کفر کا ہے۔ بادشاہ نے نظرِ غضب سے اُن کی طرف دیکھا اور کہا، کیوں بی بی! تم کچھ نہ بولیں۔ اس کا کیا سبب ہے؟ تب ملکہ نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا کہ اگر جان کی امان پاؤں اور تقصیر معاف ہو تو یہ لونڈی اپنے دل کی بات عرض کرے۔ حکم ہوا کہ کہہ۔ کیا کہتی ہے؟ تب ملکہ نے کہا کہ قبلۂ عالم آپ نے سنا ہے کہ سچی بات کڑوی لگتی ہے، سو اِس وقت میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو کر عرض کرتی ہوں اور جو کچھ میری قسمت میں لکھا ہے وہ کسی طرح نہیں ٹلتا۔

جس بادشاہ نے آپ کو پادشاہ بنایا اسی نے مجھے بھی پادشاہزادی کہلوایا - اس کی قدرت کے کارخانے میں کسی کا اختیار نہیں چلتا۔ آپ کی ذات ہماری ولی نعمت اور قبلہ وکعبہ ہے ، حضرت کے قدم مبارک کی خاک کو اگر سرمہ کروں تو بجا ہے مگر نصیب ہر ایک کے ہر ایک کے ساتھ ہیں۔
بادشاہ کے دل پر یہ جواب سخت گراں معلوم ہوا ، ناراض ہو کر فرمایا ، چھوٹا منہ بڑی بات ، اب اس کی یہی سزا ہے کہ گہنا ، پاتا سب کچھ اتار لو اور ایک میانے میں چڑھا کر ایسے جنگل میں کہ جہاں آدم زاد کا نام و نشان نہ ہو ، پھینک آؤ ۔ دیکھیں اس کے نصیبوں میں کیا لکھا ہے ۔
بادشاہ کے حکم بہ موجب اس آدھی رات میں ملکہ کو بھوئی لے جاکر ایک سنسان جنگل میں چھوڑ کر چلے آئے ۔ ملکہ کے دل پر عجب حالت گذر رہی تھی کہ ایک دم میں کیا تھا اور کیا ہو گیا ۔ پھر اپنے خدا کی جناب میں شکر کرتی اور کہتی تو ایسا بے نیاز ہے جو چاہا سو کیا ، اور جو چاہتا ہے سو کرتا ہے اور جو چاہے گا سو کرے گا ۔ جب تک دم میں دم ہے تجھ سے نا امید نہیں ہوتی ۔ اسی اندیشے میں آنکھ لگ گئی ۔ جس وقت صبح ہونے لگی ، ملکہ کی آنکھ کھل گئی ، پکاریں کہ وضو کو پانی لانا ، پھر فوراً رات کی بات یاد آئی ۔ اُٹھ کر تیمّم کیا اور دوگانہ شکر کا پڑھا ۔ غرض اُس میانے میں بیٹھی ہوئی خدا سے لَو لگائی ہوئی تھیں ۔
سچ ہے جب کچھ بن نہیں آتا ، تب خدا ہی یاد آتا ہے ۔ نہیں تو اپنی اپنی تدبیر میں ہر ایک لقمان اور بوعلی سینا ہے ۔ اب خدا کے کارخانے کا

تماشا سنو۔ اِسی طرح تین دن رات گذر گئے کہ ملکہ کے منہ میں ایک کھیل بھی اُڑ کر نہ گئی، وہ پھول سا بدن سوکھ کر کانٹا ہو گیا اور وہ رنگ جو کندن سا دمکتا تھا۔ ہلدی سا بن گیا۔ آنکھیں پتھرا گئیں، مگر ایک دم تھا جو آتا جاتا تھا۔ جب تک سانس، تب تک آس، چوتھے روز صبح کو ایک درویش خضر کی سی صورت، نورانی چہرہ، روشن دل آیا۔ ملکہ کو اس حالت میں دیکھ کر بولا اے بیٹی! اگرچہ تیرا باپ بادشاہ ہے لیکن تیری قسمت میں یہ بھی لکھا تھا، اب اس فقیر بوڑھے کو اپنا خادم سمجھ اور اپنے پیدا کرنے والے کا رات دن دھیان رکھ، خدا خوب کرے گا اور فقیر کے پاس جو ٹکڑے بھیک کے موجود تھے، ملکہ کے روبرو رکھے اور پانی کی تلاش میں پھرنے لگا۔ دیکھا تو ایک کواں ہے، پر ڈول رسی نہیں۔ تھوڑے پتے توڑ کر دونا بنایا اور اپنی سیلی کھول اُس میں باندھ کر نکالا۔ اور ملکہ کو کچھ کھلایا پلایا۔ بارے ذرا ہوش آیا، اُس مردِ خدا نے بکیں اور بے بس جان کر بہت تسلی دی، خاطر جمع کی اور آپ بھی رونے لگا، ملکہ نے جب غمخواری اور دلداری اس کی بے حد دیکھی، تب اُن کے بھی مزاج کو استقلال ہوا، اُس روز سے اُس پیر مرد نے یہ مقرر کیا کہ صبح کو بھیک مانگنے کے لئے شہر میں نکل جاتا، جو ٹکڑا پاتا، ملکہ کے پاس لے آتا اور کھلاتا۔

اس طور سے تھوڑے روز گذرے۔ ایک دن ملکہ نے تیل سر میں ڈالنے اور کنگھی چوٹی کرنے کا قصد کیا۔ جو بھیں مُباف کھولا چوٹی میں سے ایک موتی کا دانہ گول آبدار نکل پڑا۔ ملکہ نے اُس درویش کو دیا اور کہا

شہر میں اس کو بیچ لاؤ۔ فقیر اس گوہر کو بیچ کر اس کی قیمت پادشاہزادی کے پاس لے آیا۔ تب ملکہ نے حکم کیا کہ ایک مکان موافق گذران کے اس جگہ بناؤ۔ فقیر نے کہا اے بیٹی! دیوار کے لئے مٹی جمع کرو میں پانی لاکر گارا کرکے گھر کی بنیاد قائم کروں گا۔ ملکہ نے اس کے کہنے سے مٹی کھودنی شروع کی، جب ایک گز گڑھا کھودا گیا، زمین کے نیچے سے ایک دروازہ نمودار ہوا ملکہ نے اس دروازے کو صاف کیا، ایک بڑا گھر جواہر اور اشرفیوں سے معمور نظر آیا۔ ملکہ نے پانچ چار مٹھیاں اشرفیوں کی لے کر پھر بند کیا، اور اوپر سے ہموار کردیا۔ اتنے میں فقیر آیا، ملکہ نے فرمایا کہ راج معمار اور مزدور جلد بلاؤ جو اس مکان پر ایک عمارت پادشاہانہ اور شہر پناہ، قلعہ، باغ، باولی اور ایک سافرخانہ کہ لاثانی ہو، جلد تیار کریں، لیکن پہلے نقشہ اُن کا ایک کاغذ پر درست کرکے حضور میں لائیں جو پسند کیا جائے۔

فقیر نے ایسے ہی کارکن ذی ہوش لاکر حاضر کئے۔ موافق حکم کے تعمیر عمارت کی ہونے لگی اور نوکر چاکر ہر ایک کارخانے کے لئے چُن چُن کر ملازم رکھے گئے۔ اس عالیشان عمارت کی تیاری کی خبر پادشاہ ظلِ سبحانی کو پہنچی سُن کر بہت متعجب ہوئے اور ہر ایک سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے جس نے یہ محلات بنانے شروع کئے ہیں؟ اُس کی کیفیت سے کوئی واقف نہ تھا جو عرض کرے، سبھوں نے کانوں پر ہاتھ رکھے کہ کوئی غلام نہیں جانتا کہ اس کا بانی کون ہے۔ تب پادشاہ نے ایک امیر کو بھیجا اور پیغام دیا کہ میں اس عمارت کو دیکھنا چاہتا ہوں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ تم کہاں کی پادشاہزادی ہو اور

کس خاندان سے ہو۔ یہ سب کیفیت دریافت کرنی ہم کو منظور ہے۔

جوں ہی ملکہ نے یہ خوش خبری سنی، دل میں بہت شاد ہو کر عرضی لکھی، کہ جہاں پناہ سلامت! حضور کے تشریف لانے کی خبر سن کر نہایت خوشی حاصل ہوئی اور سبب حرمت و عزّت اس کمترین کا ہوا۔ زہے قسمت اس مکان کی! کہ جہاں قدم مبارک کا نشان پڑے اور وہاں کے رہنے والوں پر دامنِ دولت سایہ کرے اور نظرِ توجہ سے وہ دونوں سرفراز ہوئیں۔ یہ لونڈی امیدوار ہے کہ کل پنجشنبہ روزِ مبارک ہے اور میرے نزدیک بہتر روز نوروز سے ہے۔ آپ کی ذات مشابہ آفتاب کے ہے، تشریف فرما کر اپنے نور سے اس ذرۂ بے مقدار کو قدر و منزلت بخشیئے اور جو کچھ اس عاجزہ سے میسّر ہو سکے نوش جان فرمائے یہ عین غریب نوازی اور مسافر پروری ہے، زیادہ حدِ ادب اور اُس امیر کو بھی کچھ تواضع کر کے رخصت کیا۔

پادشاہ نے عرضی پڑھی اور کہلا بھیجا کہ ہم نے تمہاری دعوت قبول کی ضرور آئیں گے۔ ملکہ نے نوکروں کو حکم دیا کہ لوازمۂ ضیافت ایسے سلیقے سے تیار ہو کہ پادشاہ دیکھ کر اور کھا کر محظوظ ہو۔ اور ادنیٰ اعلیٰ جو پادشاہ کی رکاب میں آئیں، سب کھا پی کر خوش ہوں۔ ملکہ کی تاکید سے سب قسم کے کھانے تیار ہوئے۔ بادشاہ تخت پر سوار ہو کر ملکہ کے گھر پہنچا۔ ملکہ اپنی خاص سہیلیوں کو لے کر استقبال کے لئے چلیں جوں پادشاہ کے تخت پر نظر پڑی، اس آداب سے مجرا شاہانہ کیا کہ یہ قاعدہ دیکھ کر پادشاہ کو اور بھی حیرت ہوئی۔ اور اُسی انداز سے جلوہ کر کے پادشاہ کو تختِ مرصع پر لا بٹھایا۔ ملکہ

نے سوا لاکھ روپے کا چبوترہ تیار کر رکھا تھا اور ایک سو ایک کشتی جواہرات اور اشرفیوں کی لگا رہی تھی اور دو زنجیر فیل اور دس راس اسپ نذر گذرانے اور آپ دونوں ہاتھ باندھے روبرو کھڑی رہیں۔ پادشاہ نے مہربانی سے فرمایا کہ تم کس ملک کی شہزادی ہو اور یہاں کس وجہ سے آنا ہوا؟

ملکہ نے اداب بجالا کر التماس کیا کہ یہ لونڈی وہی گنہگار ہے جو غضب سلطانی کے باعث اس جنگل میں پہنچی اور یہ سب تماشے خدا کے ہیں جو آپ دیکھتے ہیں۔ یہ سنتے ہی پادشاہ کے لہو نے جوش مارا، اُٹھ کر محبت سے گلے لگا لیا اور ہاتھ پکڑ کے اپنے تخت کے پاس کرسی بچھوا کر حکم بیٹھنے کا کیا۔ لیکن پادشاہ حیران اور متعجب بیٹھے تھے، فرمایا کہ پادشاہ بیگم کو کہو کہ پادشاہزادیوں کو اپنے ساتھ لے کر جلد آئیں۔ جب وہ آئیں ماں بہنوں نے پہچانا اور گلے مل کر روئیں اور شکر کیا، ملکہ نے اپنی والدہ اور ہمشیروں کے روبرو اتنا نقد و جواہر رکھا کہ خزانہ تمام عالم کا اُس کے پاسنگ میں نہ چڑھے۔ پھر پادشاہ نے سب کو ساتھ بٹھا کر خاصہ نوش جان فرمایا۔

جب تک جہاں پناہ جیتے رہے، اسی طرح گذری، کبھی کبھی آپ آتے اور کبھی ملکہ کو بھی اپنے ساتھ محلوں میں لے جاتے۔ جب پادشاہ نے رحلت فرمائی، سلطنت اِس اقلیم کی ملکہ کو پہنچی کہ ان کے سوا دوسرا کوئی لائق اس کام کے نہ تھا۔ اے عزیز! سرگذشت یہ ہے جو تو نے سُنی، پس دولت خداداد کو ہرگز زوال نہیں ہوتا۔ مگر آدمی کی نیت درست چاہئے، بلکہ جتنی خرچ کرو اُس میں اُتنی ہی برکت ہوتی ہے۔ خدا کی قدرت میں تعجب کرنا کسی مذہب

میں روانہیں۔ دائی نے یہ بات کہہ کر کہا اب اگر قصد وہاں جانے اور خبر لانے کا دل میں ہو تو جلد روانہ ہو۔ میں نے کہا اِسی وقت مَیں جاتا ہوں اور خدا چاہے تو جلد واپس آتا ہوں آخر رخصت ہو کر اور فضل الٰہی پر نظر رکھ کر اس سمت کو چلا۔

ایک سال کے عرصے میں شہر نمیروز جا پہنچا۔ جتنے وہاں کے آدمی نظر پڑے، سیاہ پوش تھے جیسا احوال سُنا تھا اپنی آنکھوں سے دیکھا کئی دنوں کے بعد چاندرات آئی۔ پہلی تاریخ سارے لوگ ایک میدان میں جمع ہوئے۔ میں بھی اپنی حالت میں حیران اپنے ملک سے جدا، فقیر کی صورت بنایا کھڑا دیکھ رہا تھا کہ دیکھئے پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اتنے میں ایک جوان گاؤ سوار، منہ میں کف بھرے جوش و خروش کرتا ہوا جنگل سے باہر نکلا۔ یہ عاجز جو اتنی محنت کر کے اس کے احوال دریافت کرنے گیا تھا اُسے دیکھتے ہی حیران کھڑا رہ گیا۔ وہ جوان قدیم قاعدے پر جو جو کام کرتا تھا کر کے واپس ہوا اور خلقت شہر کی طرف روانہ ہوئی۔ جب مجھے ہوش آیا۔ تب میں پچتایا کہ یہ کیا تجھ سے حرکت ہوئی۔ اب مہینے بھر پھر راہ دیکھنی پڑی۔ لاچار سب کے ساتھ چلا آیا اور چاندرات کا منتظر رہا۔ آخر دوسری چاندرات آئی، مجھے گویا عید ہوئی، پھر بادشاہ خلقت سمیت وہیں اکٹھے ہوئے تب میں نے دل میں مصمم ارادہ کیا کہ اب کے بار جو ہو سو ہو، اپنے کو سنبھال کر اس ماجرائے عجیب کو معلوم کیا چاہیئے۔

ناگاہ جوان بدستور آپہنچا اور اُتر کر دو زانو بیٹھا۔ ایک ہاتھ میں ننگی تلوار

اور ایک ہاتھ میں بیل کی ناتھ پکڑی اور مرتبان غلام کو دیا۔ غلام ہر ایک کو دکھا کرے گیا لوگ دیکھ کر رونے لگے ؟ اُس جوان نے مرتبان پھوڑا اور غلام کی گردن اُڑائی اور آپ سوار ہو کر مُڑا۔ میں اُس کے پیچھے جلد قدم اُٹھا کر چلنے لگا۔ شہر کے آدمیوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا یہ کیا کرتا ہے۔ کیوں جان بوجھ کر مرتا ہے ؟ اگر ایسا ہی تیرا دم ناک میں آیا ہے، تو بہتیری طرحیں مرنے کی ہیں، ہر چند مَیں نے منت کی اور زور بھی کیا کہ کسی صورت سے اُن کے ہاتھ سے چھوٹوں چھٹکارا نہ ہوا۔ دو چار آدمی لپٹ گئے اور پکڑے ہوئے بستی کی طرف لے آئے۔ عجب طرح کا قلق پھر مہینے بھر گذرا۔

جب وہ بھی مہینا تمام ہوا اور وہ دن آیا، صبح کو اسی صورت سے وہاں ازدحام ہوا۔ میں الگ سب سے نماز کے وقت اُٹھ کر آگے ہی جنگل میں گھس کر چھپ رہا، کہ یہاں تو کوئی میرا مزاحم نہ ہوگا۔ وہ شخص اسی قاعدے سے آیا اور وہی حرکتیں کر کے سوار ہوا اور چلا۔ میں نے اُس کا پیچھا کیا اور دوڑتا ہوا ساتھ ہو لیا۔ اُس عزیز نے آہٹ سے معلوم کیا کہ کوئی چلا آتا ہے۔ فوراً باگ موڑ کر ایک نعرہ مارا اور گھُرکا۔ تلوار کھینچ کر میرے سر پر آپہنچا، چاہتا تھا کہ حملہ کرے۔ میں نے نہایت ادب سے سلام کیا اور دونوں ہاتھ باندھ کر کھڑا رہ گیا۔ اس نے کہا کہ اے فقیر! تو ناحق مارا گیا ہوتا، پر بچ گیا۔ تیری حیات کچھ باقی ہے۔ جا کہاں آتا ہے ؟ اور جڑاؤ خنجر موتیوں کا کمر سے نکال کر میرے آگے پھینکا اور کہا کہ اس وقت میرے پاس کچھ نقد

موجود نہیں جو تجھے دوں - اس کو بادشاہ کے پاس لے جا، جو تو مانگے گا، ملے گا - ایسی ہیبت اور رعب اُس کا مجھ پر غالب ہوا کہ نہ بولنے کی قدرت نہ چلنے کی طاقت منہ میں گھگی بندھ گئی، پاؤں بھاری ہو گئے -

اتنا کہہ کر وہ غازی مرد نعرہ بھرتا ہوا چلا - میں نے دل میں کہا، ہر چہ باداباد اب رہ جانا تیرے حق میں بُرا ہے - پھر ایسا وقت نہ ملے گا - اپنی جان سے ہاتھ دھو کر میں بھی اُس کے پیچھے روانہ ہوا، پھر وہ پلٹا اور بڑے غصّے سے ڈانٹا، میرے قتل کا ارادہ کیا - میں نے سر جھکا دیا اور قسم دی کہ اے رستمِ وقت! ایک ایسی تلوار مار کہ صاف دو ٹکڑے ہو جاؤں ایک تسمہ باقی نہ رہے اور اس حیرانی اور تباہی سے چھوٹ جاؤں - میں نے اپنا خون معاف کیا - وہ بولا کہ اے شیطان کی صورت! کیوں اپنا خونِ ناحق میری گردن پر چڑھاتا ہے اور مجھے گنہگار بناتا ہے؟ جا اپنی راہ لے، کیا جان بھاری پڑی ہے؟ میں نے اس کا کہا نہ مانا، اور قدم آگے دھرا جاتے جھاڑ، جنگل طے کیا - ایک چار دیواری نظر آئی - وہ جوان دروازے پر گیا، اور ایک نعرۂ مہیب مارا وہ در آپ سے آپ کھل گیا - وہ اندر گیا میں باہر کا باہر کھڑا رہ گیا - الٰہی اب کیا کروں! حیراں تھا، تھوڑی دیر بعد غلام آیا اور کہا کہ چل تجھے بلایا ہے - شاید تیرے سر پر اجل کا فرشتہ آیا ہے - میں نے کہا زہے نصیب اور بے دھڑک اُس کے ساتھ اندر باغ کے گیا -

آخر ایک مکان میں لے گیا جہاں وہ بیٹھا تھا، میں نے اُسے دیکھ کر فراشی سلام کیا - اُس نے بیٹھنے کے لئے کہا، میں ادب سے دوزانو بیٹھا

کیا دیکھتا ہوں کہ وہ مرد اکیلا ایک مسند پر بیٹھا ہے اور ہتھیار آگے دھرے ہیں۔ جب اُس کے اُٹھنے کا وقت آیا، جتنے غلام اُس شہ نشین کے گرد و پیش حاضر تھے، حجروں میں چھپ گئے۔ میں بھی ایک کوٹھڑی میں جا گھسا۔ وہ جوان اُٹھ کر سب مکانوں کی کنڈیاں چڑھا کر باغ کے کونے کی طرف چلا، اور اپنی سواری کے بیل کو مارنے لگا۔ اُس کے چلّانے کی آواز میرے کان میں آئی، کلیجہ کانپنے لگا، لیکن اِس ماجرے کی دریافت کرنے کی خاطر یہ سب آفتیں سہی تھیں۔ ڈرتے ڈرتے دروازہ کھول کر ایک درخت کے تنے کی آڑ میں جا کر کھڑا ہوا اور دیکھنے لگا۔ جوان نے وہ سونٹا جس سے مارتا تھا، ہاتھ سے ڈال دیا اور ایک مکان کا قفل کنجی سے کھولا اور اندر گیا پھر باہر نکل کر نر گاؤ کے پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور منہ چوما اور دانہ گھاس کھلا کر ادھر کو چلا۔ میں دیکھتے ہی جلد دوڑ کر پھر کوٹھڑی میں جا چھپا۔

اس جوان نے زنجیریں سب دروازوں کی کھول دیں، سارے غلام باہر نکلے۔ سلیچی آفتابہ لے کر حاضر ہوئے۔ وہ وضو کر کے نماز پڑھا بعد نماز پکارا کہ وہ فقیر کہاں ہے؟ اپنا نام سنتے ہی دوڑ کر روبرو جا کھڑا ہوا۔ فرمایا بیٹھ، میں تسلیم کر کے بیٹھا۔ خاصہ آیا، اُس نے تناول فرمایا، مجھے بھی عنایت کیا، میں نے بھی کھایا، جب دسترخوان بڑھایا اور ہاتھ دھوئے غلاموں کو رخصت دی کہ جا کر سو رہو۔ جب کوئی اُس مکان میں نہ رہا، تب مجھ سے ہم کلام ہوا اور پوچھا کہ اے عزیز! تجھ پر کیا ایسی آفت آئی ہے جو تو اپنی موت کو ڈھونڈھتا پھرتا ہے۔ میں نے اپنا احوال آغاز سے

سے انجام تک جو کچھ گذرا تھا تفصیل وار اسے بیان کیا اور کہا، آپ کی توجہ سے امید ہے کہ اپنی مراد کو پہنچوں۔ اُس نے یہ سنتے ہی ٹھنڈی سانس بھری اور بے ہوش ہوا اور کہنے لگا، بارے خدایا! عشق کے درد سے تیرے سوا کون واقف ہے۔ اس درد کی قدر جو دردمند ہو، سو جانے۔

بعد ایک لمحے کے ہوش میں آکر ایک آہِ جگرسوز بھری، سارا مکان گونج گیا، تب مجھے یقین ہوا کہ یہ بھی اِسی عشق کی بلا میں گرفتار ہے۔ تب میں نے دل کڑے کے کہا کہ اپنا احوال تو سب عرض کیا، آپ مہربانی فرما کر اپنی سرگذشت سے بندے کو مطلع فرمائیے تو بمقدور اپنے پہلے تمہارے واسطے سعی کروں اور دل کا مطلب کوشش کرکے حاصل کروں، القصّہ وہ عاشق صادق مجھ کو اپنا ہمراز جان کر، اپنا ماجرا اس صورت سے بیان کرنے لگا، کہ سُن اے عزیز! میں پادشاہزادہ اس اقلیم نیمروز کا ہوں۔ پادشاہ یعنی قبلہ گاہ نے میرے پیدا ہونے کے بعد نجومی، رمّال اور پنڈت جمع کئے اور فرمایا کہ احوال شہزادے کے طالعوں کا دیکھو اور جنم پتری درست کرو اور جو کچھ ہونا ہے حقیقت پل گھڑی، پہر، دن، مہینے اور برس کی مفصّل حضور میں عرض کرو۔ بموجب حکم پادشاہ سب نے متفق ہو التماس کیا، کہ خدا کے فضل سے ایسی نیک ساعت میں شہزادے کا تولد ہوا ہے، کہ چاہیئے سکندر کی سی بادشاہت کرے اور نوشیروان کا سا عادل ہو اور جتنے علم اور ہنر ہیں، اُن میں کامل ہو اور جس کام کی طرف دل اُس کا مائل ہو، وہ بخوبی حاصل ہو۔ سخاوت اور شجاعت میں ایسا نام پیدا کرے کہ حاتم اور رستم کو لوگ بھول جائیں، لیکن چودہ برس سورج اور چاند

کے دیکھنے سے ایک بڑا خطرہ نظر آتا ہے، بلکہ یہ وسواس ہے کہ جنونی اور سودائی ہو کر بہت آدمیوں کا خون کرے، بستی سے گھبرائے، جنگل میں نکل جائے اور چرند پرند کے ساتھ دل بہلائے۔ اس کا خیال رہے کہ رات دن آفتاب ماہتاب کو نہ دیکھے، بلکہ آسمان کی طرف نگاہ نہ کرنے پائے جو اتنی مدت خیر و عافیت سے کٹے، تو پھر ساری عمر سکھ اور چین سے سلطنت کرے۔

یہ سُن کر بادشاہ نے اِسی لئے اس باغ کی بنا ڈالی اور مکان متعدد ہر ایک نقشے کے بنوائے۔ تہ خانے میں پلنے کا حکم کیا اور اوپر ایک بُرج بندے کا تیار کروایا، یہ کہ دھوپ اور چاندنی اس میں سے نہ چھنے۔ مجھے دائی نے دودھ پلایا اور کئی خواصوں کے ساتھ اُس عالیشان مکان میں پرورش پانے لگا۔ اور ایک اُستاد دانا میری تربیت کیلئے مقرر کیا تا کہ علم و ہنر میں کمال حاصل کرے اور جہاں پناہ ہمیشہ میرے خبر گیران رہتے، دم بدم کی کیفیت حضور میں عرض ہوتی۔ میں اُس مکان ہی کو عالمِ دنیا جان کر کھلونوں اور رنگ اور برنگ پھولوں سے کھیلا کرتا اور تمام جہان کی نعمتیں کھانے کے واسطے موجود رہتیں، جو چاہتا سو کھاتا۔ دس برس کی عمر تک جتنی صنعتیں اور قابلیتیں تھیں تحصیل کیں۔

ایک روز اُس گنبد کے نیچے روشن دان سے ایک پھول اچنبھے کا نظر پڑا، کہ دیکھتے دیکھتے بڑا ہوتا جاتا تھا۔ میں نے چاہا کہ ہاتھ سے پکڑ لوں جوں میں ہاتھ لمبا کرتا تھا وہ اونچا ہو جاتا تھا۔ میں حیران ہو کر اُسے تک رہا تھا۔ ایک آواز قہقہے کی میرے کان میں آئی، میں نے اس کے دیکھنے کو

گردن اُٹھائی۔ نمدا چیر کر دیکھا تو ایک چاند کا سا مکھڑا نکل رہا ہے، اس کے دیکھتے ہی میرے عقل و ہوش بجا نہ رہے، پھر خود کو سنبھال کر دیکھا تو ایک مرصع تخت پریزادوں کے کندھے پر کھڑا ہے اور ایک تخت نشین تاج جواہر کا سر پر اور خلعت بدن میں پہنے، ہاتھ میں یاقوت کا پیالہ لئے بیٹھی ہے۔ وہ تخت بلندی سے آہستہ آہستہ نیچے اُتر کر اُس بُرج میں آیا۔ تب پری نے مجھے بلایا اور اپنے نزدیک بٹھایا، باتیں کرنے لگی۔ ایک جام شراب کا پلایا اور کہا آدمی زاد بے وفا ہوتا ہے، لیکن ہمارا دل تجھے چاہتا ہے۔ ایک دم میں ایسی ایسی انداز و ناز، کی باتیں کیں کہ دل محو ہوگیا اور ایسی خوشی حاصل ہوئی کہ زندگانی کا مزا پایا اور یہ سمجھا کہ آج تو دُنیا میں آیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ میں تو کیا ہوں؟ کسی نے یہ عالم نہ دیکھا ہوگا، نہ سُنا ہوگا۔ اُس مزے میں خاطر جمع سے ہم دونوں بیٹھے تھے، چار پریزاد نے آسمان سے اُتر کر کچھ اُس معشوقہ کے کان میں کہا۔ سنتے ہی اُس کا چہرہ متغیر ہوگیا اور مجھ سے بولی کہ اے پیارے! دل تو یہ چاہتا تھا کہ کوئی دم تیرے ساتھ بیٹھ کر دِل بہلاؤں اور اسی طرح ہمیشہ آؤں یا تجھے اپنے ساتھ لے جاؤں پر یہ آسمان دو کو ایک جگہ آرام سے رہنے نہیں دیتا۔ لے! تیرا خدا نگہبان ہے۔ یہ سُن کر میرے حواس جاتے رہے، میں نے کہا کہ اب پھر کب ملاقات ہوگی؟ یہ کیا تم نے غضب کی بات سُنائی؟ اگر جلد آؤ گی تو مجھے جیتا پاؤ گی، نہیں تو پچھتاؤ گی، یا اپنا ٹھکانا اور نام و نشان بتاؤ کہ میں ہی تمہارے پاس پہنچوں۔ یہ سُن کر بولی، دُور پار، تمہاری صد و بیست

سال کی عمر ہو، اگر زندگی ہے تو پھر ملاقات ہو رہے گی۔ میں جنوں کے بادشاہ کی بیٹی ہوں اور کوہ قاف میں رہتی ہوں۔ یہ کہہ کر تخت اٹھایا وہ جس طرح اُترا تھا اسی طرح بلند ہونے لگا۔

جب تک سامنے تھا، میری اور اس کی چار آنکھیں ہو رہی تھیں، جب نظروں سے غائب ہوا، عجب طرح کی اُداسی دل پر چھا گئی، عقل و ہوش رخصت ہوئے، دُنیا آنکھوں کے تلے اندھیری ہو گئی۔ حیران پریشان زار زار رونا اور سر پر خاک اُڑانا، کپڑے پھاڑنا، نہ کھانے کی سُدھ، نہ بھلے بُرے کی بُدھ۔

اس خرابی سے دائی اور مُعلّم خبردار ہوئے، ڈرتے ڈرتے بادشاہ کے روبرو گئے اور عرض کی کہ پادشاہزادے کا یہ حال ہے۔ معلوم نہیں خود بخود یہ کیا غضب ٹوٹا جو اُن کا آرام اور کھانا پینا سب چھوٹا، تب بادشاہ وزیر، امراء، طبیب، ملّا، سیانے اور درویش کو اپنے ساتھ لے کر اُس باغ میں رونق افروز ہوا۔ میری بے قراری اور آہ و زاری دیکھ کر اُن کی بھی حالت مضطرب ہو گئی۔ آبدیدہ ہو کر بے اختیار گلے سے لگا لیا اور اُس کی تدبیر کی خاطر حکم کیا۔ حکیموں نے قوتِ دل اور خللِ دماغ کے نسخے لکھے اور مُلّاؤں نے نقش و تعویذ پلانے اور پاس رکھنے کو دئے، دعائیں پڑھ، پڑھ کر پھونکنے لگے، اور نجومی بولے کہ ستاروں کی گردش سے یہ صورت پیش آئی، اُس کا صدقہ دیجئے غرض ہر کوئی اپنے اپنے علم کی باتیں کہتا تھا پر مجھ پر جو گذرتی تھی میرا دل ہی جانتا تھا، کسی کی سعی اور تدبیر میری تقدیر

کے کام نہ آئی، دن بہ دن دیوانگی کا زور ہوا اور میرا بدن بے آب و دانہ کمزور ہو چلا، رات دن چلّاتا اور سر پٹکتا ہی رہا۔ اُس حالت میں تین سال گذرے، چوتھے برس ایک سوداگر سیر و سفر کرتا ہوا آیا اور ہر ایک ملک کے تحفہ تحائف، عجیب و غریب جہاں پناہ کے حضور میں لایا، ملازمت حاصل کی۔ بادشاہ نے بہت توجہ فرمائی اور احوال پُرسی اُس کی کر کے پوچھا کہ تم نے بہت ملک دیکھے، کہیں کوئی حکیم کامل بھی نظر پڑا یا کسی سے اُس کا ذکر سنا؟ اُس نے التماس کیا کہ "قبلۂ عالم! غلام نے بہت سیر کی۔ لیکن ہندوستان میں دریا کے بیچ ایک پہاڑی ہے، وہاں ایک گسائیں نے بڑا مندھپ مہادیو کا اور باغ بڑی بہار کا بنایا ہے، اُس میں رہتا ہے اور اس کا یہ قاعدہ ہے کہ برسویں دن شیورات کے روز نکل کر دریا میں پیرتا ہے اور خوشی کرتا ہے اشنان کے بعد جب اپنے آسن پر جانے لگتا ہے، تب بیمار اور دردمند دیس دیس اور مُلک مُلک کے جو دور، دور سے آتے ہیں دروازے پر جمع ہوتے ہیں۔ اُن کی بڑی بھیڑ ہوتی ہے۔

ہر ایک کو دیکھ کر نسخہ لکھ کر دیتا ہوا چلا جاتا ہے۔ خدا نے ایسا دستِ شفا اس کو دیا ہے کہ دوا پیتے ہی اثر ہوتا ہے اور وہ مرض بالکل جاتا رہتا ہے۔ یہ ماجرا میں نے بچشم خود دیکھا اور خدا کی قدرت کو یاد کیا، کہ ایسے ایسے بندے پیدا کئے ہیں۔ اگر حکم ہو تو شہزادہ کو اُس کے پاس لے جائیں اس کو ایک نظر دکھائیں، اُمید قوی ہے کہ جلد شفائے کامل ہو اور ظاہر میں بھی یہ تدبیر اچھی ہے کہ ہر ایک ملک کی ہوا کھانے سے اور جا بجا کے آب و دانے سے

مزاج میں فرحت آئی ہے۔ پادشاہ کو اسکی صلاح پسند آئی اور خوش ہو کر فرمایا بہت بہتر شاید اُس کا ہاتھ راس آئے اور میرے فرزند کے دل سے دہشت جائے۔ ایک امیر معتبر جہاں دیدہ کو اور اس تاجر کو میرے رکاب میں متعین کیا اور ضروری اسباب ساتھ کر دیا۔ منزل منزل چلتے چلتے اس ٹھکانے پر جا پہنچے۔ نئی ہوا اور نیا دانہ پانی کھانے پینے سے کچھ مزاج سنبھلا لیکن خاموشی کا وہی عالم تھا۔ اور رونے سے کام۔ دمبدم اس پری کی یاد دل سے بھولتی نہ تھی۔

بارے جب دو تین مہینے گذرے اُس پہاڑ پر قریب چار ہزار مریض کے جمع ہوئے۔ لیکن سب یہی کہتے تھے کہ اب خدا چاہے تو گُسائیں نکلے گا اور سب کو اُس کے کہنے سے شفا ہوگی۔ القصّہ وہ دن آیا۔ صبح کو جوگی مانند آفتاب کے نکل آیا اور دریا میں نہایا، پار جا کر پھر آیا اور بھبھوت تمام بدن پر لگایا وہ گورا بدن راکھ میں چھپایا۔ اُس کے چہرے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ساری دُنیا اُس کے نزدیک کچھ قدر نہیں رکھتی۔ ایک ایک کی طرف دیکھتا اور نسخہ دیتا ہوا میرے نزدیک آپہنچا۔ جب میری اور اس کی چار نظریں ہوئیں کھڑا رہ کر غور میں گیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ ہمارے ساتھ آؤ۔ میں ہمراہ ہو لیا۔

جب سب کی نوبت ہو چکی۔ مجھے باغ کے اندر لے گیا اور خلوت خانہ میں مجھسے فرمایا کہ تم یہاں رہا کرو۔ جب ایک چلّا گذرا تو میرے پاس آیا اور آگے کی نسبت مجھے خوش پایا، تب مسکرا کر فرمایا کہ اس باغیچے کی سیر کیا

کرو۔ جس میوے پر جی چاہے کھایا کرو اور پیالی چینی کی معجون سے بھری ہوئی دی کہ اُس میں سے چھ ماشے ہمیشہ بلا ناغہ نہار نوش جان فرمایا کرو۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا، میں نے اس کے کہنے پر عمل کیا۔ ہر روز بدن میں قوت اور دل کو فرحت معلوم ہونے لگی، لیکن اُس پری کی صورت نظروں کے آگے پھرتی تھی۔

ایک روز طاق میں ایک جلد کتاب کی نظر آئی، اُتار کر دیکھا تو سارے علم دین و دنیا کے اُس میں جمع ہیں ہر وقت اُس کا مطالعہ کیا کرتا۔ علم حکمت اور تسخیر میں نہایت قوت بہم پہنچائی۔ اس عرصے میں برس گذر گیا، پھر وہی خوشی کا دن آیا، جوگی باہر نکلا۔ میں نے سلام کیا۔ اُس نے قلمدان مجھے دیکر کہا ساتھ چلو، میں بھی ساتھ ہو لیا، جب دروازے سے باہر نکلا ایک عالم دعا دینے لگا۔ وہ امیر اور سوداگر مجھے ساتھ دیکھ کر گسائیں کے قدموں پر گرے اور ادائے شکر کرنے لگے، کہ آپ کی توجہ سے اتنا تو ہوا۔ وہ اپنی عادت پر دریا کے گھاٹ تک گیا اور اشنان پوجا کی۔

اتفاقاً سودائیوں کے غول میں ایک جوان خوب صورت شکیل کہ ضعف سے کھڑے ہونے کی طاقت اس میں نہ تھی نظر پڑا۔ مجھ کو کہا اُس کو ساتھ لے آؤ۔ سب کی دارو درمن کر کے جب خلوت خانے میں گیا، تھوڑی سی کھوپری اُس جوان کی تراش کر، چاہا کہ کنکھجورا جو مغز پر بیٹھا تھا زنبور سے اُٹھا لے۔ میرے خیال میں آیا اور بول اُٹھا کہ اگر دست پناہ آگ میں گرم کر کے اُس کی پیٹھ پر رکھیے تو بہتر ہے۔ آپ سے آپ نکل آئے گا اور

جو یوں کھینچے گا تو مغز کے گودے کو نہ چھوڑے گا، پھر خوف زندگی کا ہے
یہ سن کر میری طرف دیکھا اور چپکا اُٹھ باغ کے کونے میں ایک درخت سے
گلے میں پھانسی لگا کر رہ گیا۔ میں نے پاس جا کر جو دیکھا تو مر گیا تھا۔ یہ اچنبھا
دیکھ کر نہایت افسوس ہوا۔ لاچار جی میں آیا اُسے گاڑ دوں۔ جوں درخت
سے جدا کرنے لگا دو کنجیاں اس کی لٹوں میں سے گر پڑیں۔ میں نے اُن کو
اٹھا لیا اور اُس گنجِ خوبی کو زمین میں دفن کیا وہ دونوں کنجیاں لے کر سب
قفلوں میں لگانے لگا۔ اتفاقاً دو حجرے کے تالے اُن تالیوں سے کھلے، دیکھا
تو زمین سے چھت تک جواہر بھرا ہے اور ایک پیٹی مخمل سے مڑھی سونے کے پتر
لگی قفل دی ہوئی ایک طرف دھری ہے اُس کو جو کھولا تو ایک کتاب دیکھی
کہ اس میں اسم اعظم اور حاضرات جن و پری کے اور روحوں کی ملاقات اور
تسخیر آفتاب کی ترکیب لکھی ہے۔

ایسی دولت کے ہاتھ لگنے سے نہایت خوشی حاصل ہوئی اور اُن پر عمل کرنا
شروع کیا، دروازہ باغ کا کھول دیا، اپنے اُس امیر کو اور ساتھ والوں کو
کہا کہ کشتیاں منگوا کر یہ سب جواہر و نقد و جنس اور کتابیں بار کر لو اور ایک نواوی
پر آپ سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہوا۔ آتے آتے جب نزدیک اپنے ملک
کے پہنچا۔ جہاں پناہ کو خبر ہوئی، استقبال کیا اور اشتیاق سے بے قرار ہو کر
کلیجے سے لگا لیا۔ میں نے کہا کہ اس خاکسار کو قدیم باغ میں رہنے کا حکم ہو
بولے کہ اے برخوردار! وہ مکان میرے نزدیک منحوس ٹھیرا، لہٰذا
اس کی مرمت اور تیاری موقوف کی، اب وہ مکان لائق رہنے کے

نہیں رہا اور جس محل میں جی چاہے اُترو۔ بہتر یوں ہے کہ قلعے میں کوئی جگہ پسند کر کے میری آنکھوں کے روبرو رہو اور پائیں باغ جیسا چاہو تیار کراؤ کر سیر تماشا دیکھا کرو میں نے ضد اور ہٹ کر کے اس باغ کو نئے سر سے تعمیر کرایا اور بہشت کے مانند آراستہ کر داخل ہوا، پھر فراغت سے جنوں کی تسخیر کی خاطر چلّے بیٹھا اور ترکِ حیوانات کر کے حاضرات کرنے لگا۔

جب چالیس روز پورے ہوئے تب آدھی رات کو ایسی آندھی آئی کہ بڑی بڑی عمارتیں گر پڑیں اور درخت جڑ پیڑ سے اُکھڑ کر کہیں سے کہیں جا پڑے اور پریزادوں کا لشکر نمودار ہوا ایک تخت ہوا سے اُترا، اُس پر ایک شخص شان دار موتیوں کا تاج اور خلعت پہنے ہوئے بیٹھا تھا۔ میں نے دیکھتے ہی بہت مودّب ہو کر سلام کیا۔ اُس نے میرا سلام لیا اور کہا کہ اے عزیز یہ کیا تو نے ناحق دھوم مچایا؟ ہم سے تجھے کیا مدّعا ہے؟ میں نے التماس کیا کہ یہ عاجز بہت مدّت سے تمہاری بیٹی کے دیکھنے کا مشتاق ہے اور اسی لئے کہاں سے کہاں خراب وخستہ ہوا اور جیتے جی مرا۔ اب زندگی سے تنگ آیا ہوں اور اپنی جان پر کھیلا ہوں جو یہ کام کیا ہے۔ اب آپ کی ذات سے اُمیدوار ہوں کہ مجھ حیران وسرگردان کو اپنی توجہ سے سرفراز کرو، اور اُس کے دیدار سے زندگی اور آرام بخشو، تو بڑا ثواب ہوگا۔

یہ میری آرزو سُن کر بولا کہ آدمی خاکی اور ہم آتشی، ان دونوں میں موافقت آنی مشکل ہے میں نے قسم کھائی کہ میں اُس کے دیکھنے کا مشتاق ہوں اور کچھ مطلب نہیں۔ پھر اُس تخت نشین نے جواب دیا کہ انسان اپنے

اپنے قول وقرار پر نہیں رہتا، غرض کے وقت سب کچھ کہتا ہے لیکن یاد نہیں رکھتا۔ یہ بات میں تیرے بھلے کے لئے کہہ سُناتا ہوں کہ اگر تو نے کبھی بے ادبی کی، تو وہ بھی اور تو بھی دونوں خراب وخستہ ہوں گے بلکہ خوف جان کا ہے۔ میں نے پھر دوبارہ سوگند یاد کی، کہ جس میں طرفین کی بُرائی ہو ویسا کام ہرگز نہ کروں گا، مگر ایک نظر دیکھتا رہوں گا یہ باتیں ہو رہی تھیں، کہ وہ پری بناؤ کئے ہوئے آپہنچی اور بادشاہ کا تخت وہاں سے چلا گیا۔

خوشی کے عالم میں باہم اُس باغ میں رہنے لگے، مارے ڈر کے بے ادبی نہ کرتا۔ فقط دیکھا کرتا۔ وہ پری میرے قول وقرار کے نباہنے پر حیران رہتی اور بعضے وقت کہتی کہ تم بھی اپنی بات کے بڑے سچے ہو، لیکن ایک نصیحت میں بھی دوستی کی راہ سے کرتی ہوں، اپنی کتاب سے خبردار رہو کہ جن کسی نہ کسی دن تمھیں غافل پاکر چُرالے جائیں گے۔ میں نے کہا اِسے مَیں اپنی جان کے برابر رکھتا ہوں۔

اتفاقاً ایک روز رات کو شیطان نے ورغلانا، اُسے چھاتی سے لگایا اتنے میں یہ آواز آئی یہ کتاب مجھ کو دے کہ اُس میں اسم اعظم ہے بے ادبی نہ کر۔ کچھ ہوش نہ رہا، کتاب بغل سے نکال کر بغیر جانے پہچانے حوالے کردی وہ نازنین یہ میری نادانی کی حرکت دیکھ کر بولی کہ ہے ظالم! آخر چوکا اور نصیحت بھولا۔

یہ کہہ کر بے ہوش ہوگئی اور میں نے اُس کے سرہانے ایک دیو دیکھا کہ کتاب لئے کھڑا ہے۔ چاہا کہ پکڑ کر خوب ماروں اور کتاب چھین لوں

اتنے میں اُس کے ہاتھ سے کتاب دوسرے بھاگا میں نے جو افسوں یاد کئے تھے پڑھنے شروع کئے، وہ جن جو کھڑا تھا بیل بن گیا، لیکن افسوس کہ پری ذرا بھی ہوش میں نہ آئی اور وہی حالت بیخودی کی رہی، تب میرا دل گھبرایا، سارا عیش تلخ ہو گیا۔ اُس روز سے آدمیوں سے نفرت ہوئی، اس باغ کے گوشے میں پڑا رہتا ہوں اور دل کے بہلانے کی خاطر یہ مرتبان بنایا کرتا ہوں اور ہر مہینے اُس میدان میں اُسی بیل پر سوار ہو کر جایا کرتا ہوں، مرتبان کو توڑ کر غلام کو مار ڈالتا ہوں، اِس اُمید پر کہ سب میری یہ حالت دیکھیں افسوس کریں شاید کوئی ایسا خدا کا بندہ مہربان ہو کر میرے حق میں دعا کرے، تو میں بھی اپنے مطلب کو پہنچوں۔ اے رفیق! میرے جنون اور سودا کی یہ حقیقت ہے جو میں نے تجھے کہہ سنائی۔

میں سُن کر آبدیدہ ہوا اور بولا کہ اے شہزادے! تو نے واقعی بڑی محنت اُٹھائی، لیکن قسم خدا کی کھاتا ہوں کہ اپنے مطلب سے درگذرا اب تیری خاطر جنگل پہاڑ میں پھروں گا اور جو مجھ سے ہو سکے سو کروں گا۔ یہ وعدہ کر کے میں اُس جوان سے رخصت ہوا اور پانچ برس تک سودائی سا ویرانے میں خاک چھانتا پھرا، سراغ نہ ملا۔ آخر اُکتا کر ایک پہاڑ پر چڑھ گیا اور چاہا کہ خود کو گرا دوں کہ ہڈی، پسلی کچھ ثابت نہ رہے وہی سوار برقعہ پوش آ پہنچا، اور بولا کہ اپنی جان مت کھو۔ تھوڑے دنوں کے بعد تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گا۔ اے درویشو! تمہارے دیدار تو میسر ہوئے اب خدا کے فضل سے امیدوار ہوں کہ خوشی اور خرمی ہو، اور سب اپنی مراد کو پہنچیں

آزاد بخت بادشاہ کی سرگذشت

جب دوسرا درویش بھی اپنی سرگذشت کہہ چکا رات آخر ہو گئی بادشاہ آزاد بخت چپکا اپنے دولت خانے کی طرف روانہ ہوا، محل میں پہنچ کر نماز ادا کی پھر غسل خانے میں جا خلعتِ فاخرہ پہن دیوانِ عام میں تخت پر بیٹھا اور حکم کیا کہ چار فقیر فلانے مکان پر ہیں۔ اُن کو بہ عزّت اپنے ساتھ حضور میں لے آؤ۔ بموجب حکم چوبدار وہاں گیا، دیکھا تو چاروں ہاتھ منہ دھو چاہتے ہیں کہ اپنی اپنی راہ لیں۔ چوبدار نے کہا شاہ جی! بادشاہ نے چاروں کو طلب فرمایا ہے، میرے ساتھ چلیئے۔ چاروں درویش آپس میں ایک ایک کو تکنے لگے اور چوبدار سے کہا، بابا ہم اپنے دل کے بادشاہ ہیں، ہمیں دنیا کے بادشاہ سے کیا کام ہے؟ اُس نے کہا مضائقہ نہیں، اگر چلو تو اچھا ہے۔

اتنے میں چاروں کو یاد آیا کہ مولا مرتضیٰ نے جو فرمایا تھا سو اب پیش آیا خوش ہوئے اور چوبدار کے ہمراہ چلے۔ جب قلعے میں پہنچے۔ بادشاہ کے روبرو گئے۔ چاروں قلندروں نے دعا دی کہ بابا! تیرا بھلا ہو، بادشاہ دیوان خاص میں جا بیٹھا اور دو چار خاص امیروں کو بلایا اور فرمایا کہ چاروں گدڑی پوشوں کو بلاؤ۔ جب وہاں گئے حکم بیٹھنے کا کیا۔ احوال پرسی فرمائی۔ کہ تمہارا کہاں سے آنا ہوا، اور کہاں کا ارادہ ہے۔ مکان مرشدوں کے کہاں ہیں؟۔

اُنھوں نے کہا کہ پادشاہ کی عمر و دولت زیادہ ہو، ہم فقیر ہیں، ایک مُدّت سے اسی طرح سیر و سفر کرتے پھرتے ہیں، خانہ بدوش ہیں۔

آزاد بخت نے بہت تسلّی اور تشفی کی اور کھانے کو منگوا کر اپنے روبرو ناشتا کرایا۔ جب فارغ ہوئے۔ فرمایا کہ اپنا ماجرا تمام بے کم و کاست مجھ سے کہو۔ فقیروں نے جواب دیا کہ ہم پر جو کچھ بیتا ہے نہ ہمیں بیان کرنے کی طاقت ہے اور نہ پادشاہ کو سننے سے فرحت ہوگی۔ اس کو معاف کیجئے تب بادشاہ نے تبسم کیا اور کہا، شب کو جہاں تم بستروں پر بیٹھے اپنا اپنا حال کہہ رہے تھے، وہاں میں بھی موجود تھا، چنانچہ دو درویشوں کا حال سن چکا ہوں اب چاہتا ہوں کہ دونوں جو باقی ہیں وہ بھی کہیں اور چند روز بخاطر جمع میرے پاس رہیں، کہ قدمِ درویشاں ردّ بلا ہے۔ پادشاہ سے یہ بات سنتے ہی مارے خوف کے کانپنے لگے اور سر نیچے کر کے چپ ہو رہے، طاقت گویائی کی نہ رہی۔

آزاد بخت نے جب دیکھا کہ اب ان میں مارے رعب کے حواس نہیں رہے جو کچھ بولیں، فرمایا کہ اس جہان میں کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس پر ایک نہ ایک وارداتِ عجیب و غریب نہ ہوئی ہوگی، باوجودیکہ میں بادشاہ ہوں لیکن میں نے بھی ایسا تماشا دیکھا کہ پہلے میں ہی اپنا قصّہ بیان کرتا ہوں۔ تم بخاطر جمع سنو۔ درویشوں نے کہا بادشاہ سلامت! آپ کا الطاف فقیروں کے حال پر ایسا ہے۔ ارشاد فرمائیے۔ آزاد بخت نے اپنا احوال شروع کیا اور کہا:۔

میرے قبلہ گاہ نے جب وفات پائی اور میں اِس تخت پر بیٹھا عین عالم شباب کا تھا اور سارا ملک، روم کا میرے حکم میں تھا۔ اتفاقاً ایک سال کوئی سوداگر بدخشاں کے ملک سے آیا اور اسباب تجارت کا بہت لایا خبرداروں نے میرے حضور میں خبر کی کہ ایسا بڑا تاجر آج تک شہر میں نہیں آیا، میں نے اُس کو طلب فرمایا۔

میری نذر کے لائق ہر ملک کے تحفے لیکر آیا۔ فی الوقع ہر ایک جنس بے بہا نظر آئی، چنانچہ ایک ڈبیا میں ایک لعل تھا، نہایت خوش رنگ اور آبدار، میں نے ایسا جواہر کبھی نہیں دیکھا تھا اور نہ کسی سے سنا تھا، پسند کیا۔ سوداگر کو انعام واکرام دیا اور سند راہ داری کی لکھ دی کہ اس سے ہماری تمام قلمرو میں کوئی مزاحم محصول کا نہ ہو۔ وہ تاجر حضور میں دربار کے وقت حاضر رہتا اور آداب شاہی سے خوب واقف تھا۔ تقریر اور خوش گوئی اُس کی سننے کے لائق تھی اور میں اُس لعل کو ہر روز جواہر خانے سے منگوا کر سرِ دربار دیکھا کرتا۔

ایک روز دیوان عام کئے بیٹھا تھا اور اُمراء ارکانِ دولت کھڑے تھے اور ہر ملک کے بادشاہوں کے ایلچی جو مبارکباد کی خاطر آئے تھے وہ بھی سب حاضر تھے۔ اُس وقت میں نے موافق معمول اُس لعل کو منگوایا۔ جواہر خانے کا داروغہ لے کر آیا۔ میں ہاتھ میں لے کر تعریف کرنے لگا اور فرنگ کے ایلچی کو دیا۔ اُس نے تبسم کرکے زمانہ سازی سے تعریف کی۔ اسی طرح ہاتھوں ہاتھ ہر ایک نے لیا اور دیکھا ایک

زبان ہو کر بولے، کہ قبلۂ عالم کے اقبال سے یہ تیر ہوا ہے، لیکن کسی بادشاہ کے ہاتھ آج تک ایسا رقم بے بہا نہیں لگا۔ اُس وقت میرے قبلہ گاہ کا وزیر کہ مرد دانا تھا اور اُسی خدمت پر سرفراز تھا آداب بجا لایا اور التماس کیا اگر جان بخشی ہو تو کچھ عرض کروں۔

میں نے حکم دیا کہ کہہ، وہ بولا قبلۂ عالم! آپ بادشاہ ہیں اور بادشاہوں سے بہت بعید ہے کہ ایک پتھر کی اتنی تعریف کریں۔ اگرچہ رنگ ڈھنگ سنگ میں لاثانی ہے لیکن سنگ ہے اور اس دم سب ملکوں کے ایلچی دربار میں حاضر ہیں، جب اپنے اپنے شہر میں جائیں گے یہ کہیں گے کہ عجب بادشاہ ہے کہ ایک لعل کہیں سے پایا ہے اُسے ایسا تحفہ بنایا ہے کہ ہر روز روبرو منگاتا ہے اور آپ اُس کی تعریف کر کے دکھاتا ہے۔ پس جو بادشاہ یا راجہ یہ احوال سُنے گا، اپنی مجلس میں ہنسے گا۔ خداوند! ایک ادنیٰ سوداگر نیشاپور میں ہے، اُس نے بارہ دانے لعل کے پٹے میں نصب کر کے کتے کے گلے میں ڈال دیے ہیں۔ مجھے سنتے ہی غصہ چڑھ آیا اور کھسیانا ہو کر کہا کہ اس وزیر کی گردن مارو۔

جلادوں نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور چاہا کہ لے جائیں۔ شاہ فرنگ کا ایلچی دست بستہ روبرو آ کھڑا ہوا۔ میں نے پوچھا کہ تیرا کیا مطلب ہے؟ اس نے عرض کی امیدوار ہوں کہ تقصیر سے وزیر کی واقف ہوں۔ میں نے کہا کہ جھوٹ بولنے سے اور بڑا گناہ کونسا ہے خصوصاً بادشاہوں کے روبرو اُس نے کہا، اس کا دروغ ثابت نہیں ہوا شاید جو کچھ کہ عرض کی ہے

سچ ہو۔ ابھی بے گناہ قتل کرنا درست نہیں۔ میں نے یہ جواب دیا کہ ہرگز عقل میں نہیں آتا ایک تاجر کہ نفع کے واسطے کوڑی جمع کرتا ہے۔ بارہ دانے لعل کے کتے کے پٹے میں لگا دے اُس نے کہا خدا کی قدرت سے تعجب نہیں، شاید کہ ہو، ایسے تحفے اکثر سوداگروں اور فقیروں کے ہاتھ آتے ہیں۔ اس واسطے کہ یہ دونوں ہر ایک ملک میں جاتے ہیں اور جہاں سے جو کچھ پاتے ہیں لے آتے ہیں۔ صلاح دولت یہ ہے کہ اگر وزیر ایسا ہی قصور وار ہے، تو قید کا حکم ہو، اس لئے وزیر پادشاہوں کی عقل ہوتے ہیں، اور یہ حرکت پادشاہوں سے بدنما ہے کہ ایسی بات پر کہ جھوٹ، سچ اِس کا ابھی ثابت نہیں ہوا حکم قتل کا فرمائیں اور اس کی تمام عمر کی خدمت اور نمک حلالی بھول جائیں۔

پادشاہ سلامت! اگلے شہریاروں نے قیدخانہ اسی سبب سے ایجاد کیا ہے، کہ پادشاہ یا سردار اگر کسی پر غصہ ہوں تو اُسے قید کریں، کئی دن میں غصہ جاتا رہے گا اور بے تقصیری اُس کی ظاہر ہوگی، پادشاہ خونِ ناحق سے محفوظ رہیں گے۔ میں نے جتنا اس کو قائل کرنا چاہا۔ اُس نے ایسی معقول گفتگو کی کہ میں لاجواب ہوگیا اور کہا کہ خیر تیرا کہنا قبول ہوا۔ میں اس کے خون سے درگذرا لیکن مقیّد رہے گا، اگر ایک سال کے عرصے میں اُس کی بات سچ نکلی تو اُس کی نجات ہوگی اور نہیں تو بڑے عذاب سے مارا جائے گا۔

جب یہ خبر وزیر کے گھر میں گئی، آہ واویلا مچا، اس وزیر کی ایک

بیٹی چودہ، پندرہ برس کی تھی۔ نہایت خوب صورت اور قابل۔ وزیر اُس کو بہت پیار کرتا تھا، چنانچہ اپنے دیوان خانے کے پیچھے ایک رنگ محل اُس کی خاطر بنوایا تھا اور لڑکیاں امیروں کی اُس کی مصاحبت میں اور خواصیں خدمت میں رہتی تھیں۔

اتفاقاً جس دن وزیر کو قید خانے میں بھیجا، وہ لڑکی اپنی ہمجولیوں میں بیٹھی تھی اور خوشی سے گڑیا کا بیاہ رچایا تھا اور کڑاہی چڑھا کر گلگلے تلتی اور رحم بنا رہی تھی، کہ ایکبارگی اُس کی ماں روتی پیٹتی، بیٹی کے گھر میں گئی اور دو ہتڑ اُس لڑکی کے سر پر ماری اور کہنے لگی۔ کاش کہ تیرے بدلے خدا اندھا بیٹا دیتا، تو میرا کلیجہ ٹھنڈا ہوتا اور باپ کا رفیق ہوتا۔ وزیر زادی نے پوچھا اندھا بیٹا تمہارے کس کام آتا؟ جو کچھ بیٹا کرتا، میں بھی کر سکتی ہوں۔ ماں نے جواب دیا خاک تیرے سر پر، باپ پر یہ بپتا بیتی ہے کہ بادشاہ کے روبرو کچھ ایسی بات کہی کہ قید ہوا۔ اس نے پوچھا وہ کیا بات تھی؟ ذرا میں بھی سنوں۔ تب اس نے کہا کہ تیرے باپ نے شاید یہ کہا کہ نیشاپور میں کوئی سوداگر ہے، اس نے بارہ عدد لعل، کتے کے پٹے میں ٹانکے ہیں۔ بادشاہ کو باور نہ ہوا، اُسے جھوٹا سمجھا اور اسیر کیا، اگر آج کے دن بیٹا ہوتا تو ہر طرح سے کوشش کر کے اس بات کی تحقیق کرتا، اور بادشاہ سے عرض کر کے میرے خاوند کو قید خانے سے چھڑاتا۔

وزیر زادی بولی، اماں جان! تقدیر سے لڑا نہیں جاتا، چاہیے انسان بلائے ناگہانی میں صبر کرے اور امیدوار فضل الٰہی کا رہے۔ وہ کریم ہے۔ مشکل کسی کی اٹکی نہیں رکھتا اور رونا دھونا خوب نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ دشمن اور

طرح سے بادشاہ کے پاس لگا دیں کہ باعث زیادہ خفگی کا ہو، بلکہ جہاں پناہ کے حق میں دعا کرو، وہ ہمارا خداوند ہے، وہی غصہ ہوا ہے وہی مہربان ہوگا اُس لڑکی نے عقلمندی سے ایسی ایسی طرح ماں کو سمجھایا کہ اُس کو صبر و قرار آیا اپنے محل میں گئی اور چپکی ہو رہی۔ جب رات ہوئی، وزیر زادی نے داوا کو بُلایا اُس کے ہاتھ، پانوں پڑی بہت منّت کی اور رونے لگی اور کہا میں یہ ارادہ رکھتی ہوں کہ اماں جان کا طعنہ مجھ پر نہ رہے، اور میرا باپ چھٹکارا پائے، جو تو میرا رفیق ہو، تو میں نیشاپور کو چلوں، اور اس تاجر کو (جس کے کتّے کے گلے میں ایسے لعل ہیں) دیکھ کر جو بن آئے کر آؤں، اور اپنے باپ کو چھڑاؤں۔

پہلے تو اُس مرد نے انکار کیا، آخر بہت کہنے سننے سے راضی ہوا، وزیر زادی نے فرمایا چپکے چپکے اسباب سفر کا درست کر۔ غلام، نوکر چاکر جتنے ضرور ہوں ساتھ لے۔ لیکن یہ بات کسی پر نہ کھلے۔ داوا نے قبول کیا۔ جب سب اسباب مہیا کیا، اونٹوں اور خچروں پر بار کر کے روانہ ہوا، اور وزیر زادی بھی لباس مردانہ پہن کر ساتھ جا ملی، ہرگز کسی کو خبر نہ ہوئی۔

وزیر زادی نے اپنا نام سوداگر بچہ رکھا۔ چلتے چلتے نیشاپور پہنچی۔ کاروانسرا میں جا اُتری، اور اپنا اسباب اُتارا، پاکیزہ پوشاک پہنی اور شہر کی سیر کے واسطے نکلی، جب چوک میں پہنچی چوراہے پر کھڑی ہوئی، ایک طرف دوکان جوہری کی نظر پڑی کہ بہت سے جواہر کا ڈھیر لگ رہا ہے اور غلام لباس فاخرہ پہنے ہوئے دست بستہ کھڑے ہیں اور ایک شخص جو سردار ہے خلعت پہنے ہوئے اور کئی مصاحب باوضع نزدیک اُس کے کرسیوں پر بیٹھے ہیں اور آپس

یں باتیں کر رہے ہیں۔

وہ وزیر زادی (جس نے خود کو سوداگر بچہ مشہور کیا تھا) اُسے دیکھ کر متعجب ہوئی، اور دل میں سمجھ کر خوش ہوئی کہ خدا جھوٹ نہ کرے جس سوداگر کا میرے باپ نے بادشاہ سے ذکر کیا ہے۔ اغلب ہے کہ یہی ہو، بارے خدایا! اُس کا احوال مجھ پر ظاہر کر۔ اتفاقاً ایک طرف جو دیکھا تو ایک دوکان ہے۔ اُس میں دو پنجرے آہنی لٹکتے ہیں اور اُن میں دو آدمی قید ہیں۔ اُن کی مجنون کی سی صورت ہو رہی ہے۔ کہ استخوان باقی ہے اور سر کے بال، ناخن بڑھ گئے ہیں۔ سر اوندھائے بیٹھے ہیں اور دو حبشی مسلح دونوں طرف کھڑے ہیں۔ سوداگر بچے کو اچنبھا آیا، لاحول پڑھ کر دوسری طرف جو دیکھا تو ایک دوکان میں قالیچے بچھے ہیں۔ اُن پر ایک چوکی ہاتھی دانت کی، اُس پر گدیلا مخمل کا پڑا ہوا، ایک کتا جواہر کا پٹا گلے میں اور سونے کی زنجیر سے بندھا ہوا بیٹھا ہے اور دو غلام خوبصورت اس کی خدمت کر رہے ہیں۔ ایک تو مورچھل جڑاؤ دستے کا لئے جھلتا ہے اور دوسرا رومال ہاتھ میں لے کر منہ اور پانوں اُس کا پونچھ رہا ہے۔ سوداگر بچے نے خوب غور کر کے جو دیکھا تو پٹے میں بارہ دانے لعل کے موجود ہیں۔ خدا کا شکر کیا اور سوچا کہ کسی طرح ان لعلوں کو بادشاہ کے پاس لے جاؤں اور اپنے باپ کو چھڑاؤں یہ تو اس حیرانی میں تھا اور تمام خلقت اُس کا حسن و جمال دیکھ کر حیران تھی۔ سب آپس میں یہ چرچا کرتے تھے کہ آج تک اس صورت کا انسان نظر نہیں آیا۔ اُس خواجہ نے بھی دیکھا، ایک غلام کو بھیجا کہ تو جا کر بمنت اُس سوداگر بچے کو میرے پاس بُلا لا۔

وہ غلام آیا اور خواجہ کا پیام لایا۔ سوداگر بچّہ چاہتا ہی تھا بولا کیا مضائقہ؟ فوراً خواجہ کے نزدیک آیا اور اُس پر خواجہ کی نظر پڑی ایک برچھی عشق کی سینے میں گڑی، تعظیم کی خاطر سرو قد اُٹھا لیکن حواس باختہ۔ سوداگر بچّہ سمجھ گیا کہ اب یہ دام میں آیا، خواجہ نے سوداگر بچے کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اپنے برابر بٹھایا۔ پوچھا کہ اپنے نام و نسب سے مجھے آگاہ کرو، کہاں سے آنا ہوا اور کہاں کا ارادہ ہے؟ سوداگر بچّہ بولا کہ اس کمترین کا وطن استنبول ہے، میرے قبلہ گاہ سوداگر ہیں۔ اب بسبب پیری کے طاقت سیر و سفر کی نہیں رہی اس واسطے مجھے رخصت کیا ہے کہ کاروبار تجارت کا سیکھوں۔ آج تک میں نے قدم گھر سے باہر نہ نکالا تھا، یہ پہلا ہی سفر درپیش ہوا، خشکی کی طرف سے قصد کیا، لیکن اِس ملک میں آپ کے اخلاق اور خوبیوں کا جو شور ہے، محض ملاقات کی آرزو میں یہاں تک آیا ہوں فضل الٰہی سے خدمت شریف میں مشرف ہوا اور اس سے زیادہ پایا، تمنّا دل کی برآئی۔ خدا سلامت رکھے، اب یہاں سے کوچ کروں گا۔

یہ سنتے ہی خواجہ کے عقل و ہوش جاتے رہے، بولا کہ اے فرزند! ایسی بات مجھے نہ سناؤ، کوئی دن غریب خانے میں کرم فرماؤ۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ تمہارا اسباب اور نوکر چاکر کہاں ہیں؟ سوداگر بچّے نے کہا کہ مسافر کا گھر سرا ہے، اُنھیں وہاں چھوڑ کر میں آپ کے پاس آیا ہوں خواجہ نے کہا بھٹیارخانے میں رہنا مناسب نہیں، جلد اُنھیں بلوا لو۔ میں ایک مکان تمہارے اسباب کے لئے خالی کر دیتا ہوں، جو کچھ جنس لائے ہو، میں دیکھوں، ایسی تدبیر کروں گا کہ یہیں تمہیں بہت سا نفع ملے۔ تم بھی خوش ہو گے۔ سفر کی پریشانی سے بچو گے

اور مجھے بھی چند روز رہنے سے اپنا احسان مند کروگے۔ سوداگر بچے نے اُوپری دل سے عذر کیا لیکن خواجہ نے قبول نہ کیا اور اپنے گماشتے کو فرمایا بار بردار جلد بھیجو اور کارواں سرا سے اُن کا اسباب منگوالو۔

جب بازار کا وقت ہوچکا اور دوکان بڑھائی۔ خواجہ گھر کو چلا۔ تب دونوں غلاموں میں سے ایک نے کتے کو بغل میں لیا، دوسرے نے کرسی اور قالیچہ اٹھا لیا، اور ان دونوں حبشی غلاموں نے اس پنجرے کو مزدوروں کے سر پر دھر دیا اور آپ پانچوں ہتھیار باندھے ساتھ ہوئے خواجہ، سوداگر بچے کا ہاتھ ہاتھ میں لئے باتیں کرتا ہوا حویلی میں آیا۔

سوداگر بچے نے دیکھا کہ مکان عالی شان، پادشاہوں اور امیروں کے لائق ہے۔ لب نہر فرش چاندنی کا بچھا ہے اور مسند کے روبرو اسباب عیش کا چنا ہے۔ کتے کی صندلی بھی اُسی جگہ بچھائی اور خواجہ، سوداگر بچے کو لیکر بیٹھا۔ کھانا مانگا، دسترخوان بچھا اور دنیا کی نعمت چنی گئی۔ پہلے کھانا کتے کے واسطے لے گئے اور ایک دسترخوان زربفت کا بچھا کر اس کے آگے رکھا۔ صندلی سے نیچے اُتر جتنا چاہا اتنا کھایا اور سونے کے لگن میں پانی پیا، پھر چوکی پر جا بیٹھا۔ غلاموں نے رومال سے ہاتھ منہ اُس کا صاف کیا، پھر اس طباق اور لگن کو غلام پنجرے کے نزدیک لے گئے اور خواجہ سے کنجی مانگ کر قفس کا قفل کھولا۔

اُن دونوں کو باہر نکال کر کئی سونٹے مار کر کتے کا جھوٹا انھیں کھلایا اور وہی پانی پلایا، پھر تالا بند کر کے تالی خواجہ کے حوالے کی۔ جب یہ سب

ہو چکا، تب خواجہ نے آپ کھانا شروع کیا۔ سوداگر بچے کو یہ حرکت پسند نہ آئی ہاتھ کھانے میں نہ ڈالا۔ ہرچند خواجہ نے منت کی پر اُس نے انکار ہی کیا۔ خواجہ نے سبب پوچھا کہ تم کیوں نہیں کھاتے؟ سوداگر بچے نے کہا یہ حرکت تمہاری ہمیں بدنما معلوم ہوئی اِس لئے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور کُتّا نجس ہے۔ پس خدا کے دو بندوں کو کتے کا جھوٹا کھلانا کس مذہب وملّت میں روا ہے؟ یہ غنیمت نہیں جانتے کہ وہ تمہاری قید میں ہیں؟ نہیں تو تم اور وہ برابر ہیں۔ اب مجھے شک ہو رہا ہے کہ تم مسلمان نہیں، کیا جانوں کون ہو کہ کتے کو پوجتے ہو؟ مجھے تمہارا کھانا کھانا مکروہ ہے جب تک یہ شبہ دل سے دُور نہ ہو۔

خواجہ نے کہا اے بابا! جو کچھ تو کہتا ہے میں یہ سمجھتا ہوں اور اسی خاطر بدنام ہوں کہ اِس شہر کی خلقت نے میرا نام خواجہ سگ پرست رکھا ہے اور اسی طرح مشہور کیا ہے۔ حالانکہ میں مشرک اور کافر نہیں ہوں کلمہ توحید پڑھا اور سوداگر بچے کی خاطر جمع کی۔ تب سوداگر بچے نے پوچھا کہ اگر دل سے مسلمان ہو تو اس کا کیا باعث ہے کہ ایسی حرکت کر کے خود کو بدنام کیا ہے۔ خواجہ نے کہا اے فرزند! نام میرا بدنام ہے اور دُگنا محصول اس شہر میں بھرتا ہوں، اسی واسطے کہ یہ بھید کسی پر ظاہر نہ ہو یہ ماجرا عجب ہے کہ جو کوئی سُنے سوائے غم اور غصّے کے اُسے کچھ اور حاصل نہ ہو۔ تو بھی مجھے معاف رکھ، کہ نہ مجھ میں قدرت کہنے کی اور نہ تجھ میں طاقت سننے کی رہے گی۔ سوداگر بچے نے اپنے دل میں غور کیا کہ مجھے اپنے کام سے کام

ہے۔ بولا خیر اگر لائق کہنے کے نہیں تو نہ کہیئے۔ کھانے میں ہاتھ ڈالا اور نوالہ اُٹھا کر کھانے لگا۔ دو مہینے اس ہوشیاری اور عقلمندی سے سوداگر بچے نے خواجہ کے ساتھ گذارے کہ کسی پر ہرگز نہ کھُلا کہ یہ عورت ہی۔ سب یہی جانتے تھے کہ مرد ہے، اور خواجہ سے روز بروز ایسی محبت ہوئی کہ ایک دم اپنی آنکھوں سے جدا نہ کرتا۔

ایک دن سوداگر بچہ نے رونا شروع کیا۔ خواجہ نے دیکھتے ہی خاطر داری کی اور رومال سے آنسو پونچھنے لگا اور سبب پوچھا۔ سوداگر بچے نے کہا ای قبلہ! کیا کہوں؟ کاش کہ تم سے دوستی پیدا نہ کی ہوتی اور یہ شفقت جو صاحب میرے حق میں کرتے ہیں نہ کرتے۔ اب دو مشکلیں میرے پیش آئی ہیں، نہ تمہاری خدمت سے جُدا ہونے کو جی چاہتا ہے اور نہ یہاں رہنے کا اتفاق ہو سکتا ہے۔ جانا ضرور ہے۔ لیکن آپ کی جُدائی سے اُمید زندگی کی نظر نہیں آتی

یہ بات سُن کر خواجہ بے اختیار ایسا رونے لگا کہ ہچکی بندھ گئی، اور بولا کہ اے نورِ چشم! ایسی جلدی اس اپنے بوڑھے خادم سے سیر ہوئے کہ اُسے دلگیر کئے جاتے ہو؟ قصد روانہ ہونے کا دل سے دور کرو۔ جب تک میری زندگی ہے رہو، تمہاری جدائی سے ایک دم میں جیتا نہ رہوں گا، بغیر اجل کے مر جاؤں گا اور اس ملک فارس کی آب و ہوا بہت خوب اور موافق ہے، بہتر تو یوں ہے کہ ایک آدمی معتبر بھیج کر اپنے والدین کو مع اسباب یہیں بلوا لو، جو کچھ سواری اور باربرداری درکار ہو، میں موجود کروں۔ جب ماں باپ تمہارے اور گھربار سب آئے، اپنی خوشی سے

کاربار تجارت کا کیا کر۔ میں نے بھی اس عمر میں زمانے کی بہت سختیاں کھینچی ہیں، اور ملک ملک پھرا ہوں۔ اب بوڑھا ہوا، فرزند نہیں رکھتا، میں تجھے بہتر اپنے بیٹے سے جانتا ہوں، اور اپنا ولی عہد و مختار کرتا ہوں، میرے کارخانے سے بھی ہوشیار اور خبردار ہو۔ جب تک جیتا رہوں ایک ٹکڑا کھانے کو اپنے ہاتھ سے دو۔ سب مال و متاع میرا لو۔

سوداگر بچے نے جواب دیا کہ واقعی آپ نے باپ سے زیادہ میری غمخواری اور خاطر داری کی کہ میں ماں باپ کو بھول گیا، لیکن والد نے ایک سال کی رخصت دی تھی، اگر دیر لگاؤں گا تو وہ اِس پیری میں روتے روتے مرجائیں گے، رضامندی پدر کی خوشنودی خدا کی ہے۔ وہ مجھ سے ناراض ہوں گے تو میں ڈرتا ہوں کہ شاید بد دعا نہ کریں کہ دونوں جہاں میں خدا کی رحمت سے محروم رہوں۔

اب آپ کی یہی شفقت ہے کہ بندے کو اجازت دیجئے کہ فرمانا قبلہ گاہ کا بجا لائے اور حقِ پدری سے ادا ہو اور صاحب کی توجہ کا ادائے شکر جب تک دم میں دم ہے میری گردن پر ہے اگر اپنے ملک میں بھی جاؤں گا تو ہر دم دل و جان سے یاد کیا کروں گا۔ شاید پھر کوئی ایسا سبب ہو کہ قدم بوسی حاصل کروں۔ غرض سوداگر بچے نے ایسی ایسی باتیں لون مرچیں لگا کر خواجہ کو سنائیں کہ وہ بچارا لاچار ہو کر ہونٹھ چاٹنے لگا چونکہ اس پر شیفتہ اور فریفتہ تھا، کہنے لگا اچھا، اگر تم نہیں رہتے تو میں ہی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ اگر تو اسی میں رضامند ہے تو چل، اور مجھے

بھی لے چل۔ سوداگر بچّے سے یہ کہہ کر سفر کی تیاری کرنے لگا اور گماشتوں کو حکم کیا کہ بار برداری کی جلد فکر کرو۔

جب خواجہ کے چلنے کی خبر مشہور ہوئی۔ وہاں کے سوداگروں نے سُن کر سب نے سفر کا تہیّہ کیا۔ خواجہ سگ پرست گنج اور جواہر بے شمار نوکر اور غلام، تحفے اور اسباب شاہانہ بہت سا ساتھ لے کر شہر سے نکلا جتنے تجّار تھے سوداگری کا مال لے کر ہمراہ ہوئے۔ بجائے خود ایک لشکر ہو گیا۔

جس منزل میں پہنچتے سب سوداگر خواجہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور دسترخوان پر کھانا کھاتے۔ خواجہ سوداگر بچے کے ساتھ ہونے کی خوشی میں خدا کا شکر کرتا اور کوچ در کوچ چلا جاتا تھا۔ آخر کار قسطنطنیہ کے نزدیک آپہنچے شہر کے باہر مقام کیا۔ سوداگر بچے نے کہا اے قبلہ! اگر رخصت دیجئے تو میں جا کر ماں باپ کو دیکھوں۔ اور صاحب کے واسطے مکان خالی کروں، جب مزاج میں آئے شہر میں داخل ہونا۔

خواجہ نے کہا تمہاری خاطر تو میں یہاں آیا، اچھا جلد مِل جُل کر میرے پاس آؤ اور اپنے نزدیک میرے اترنے کو مکان دو۔ سوداگر بچہ رخصت ہو کر اپنے گھر آیا۔ وزیر کے محل کے سب لوگ حیران ہوئے کہ یہ مرد کون گھُس آیا۔ سوداگر بچّہ (وزیر کی بیٹی) اپنی ماں کے پاؤں پر جا گری اور روئی بولی کہ میں آپ کی بیٹی ہوں۔ سنتے ہی وزیر کی بیگم گالیاں دینے لگی کہ اپنا منہ تو نے کالا کیا اور خاندان کو رسوا کیا، ہم تو تیری جان کو رو پیٹ کر

صبر کر کے تجھ سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے، جا دفع ہو۔

وزیرزادی نے سر پر سے پگڑی اُتار کر پھینک دی اور بولی :۔
اے اماں جان! میں بُری جگہ نہیں گئی، کچھ بدی نہیں کی، تمہارے بموجب فرمانے کے بابا کو قید سے چھڑانے کی خاطر یہ سب فکر کی، الحمدللہ! کہ تمہاری دعا کی برکت سے اور اللہ کے فضل سے پورا کام کر کے آئی ہوں کہ نیشاپور سے اُس سوداگر اور کتّے کو (جس کے گلے میں وہ لعل پڑے ہیں) اپنے ساتھ لائی ہوں، سفر کے لئے مردانہ بھیس کیا ہے، اب ایک روز کا کام باقی ہے۔ اس کے بعد قبلہ گاہ کو قید خانے سے چھڑاتی ہوں، اور اپنے گھر میں آتی ہوں، اگر حکم ہو تو پھر جاؤں اور ایک روز باہر رہ کر خدمت میں آؤں۔ ماں نے جب خوب معلوم کیا کہ میری بیٹی نے مردوں کا کام کیا اور خود کو سب طرح سلامت و محفوظ رکھا ہے۔ خوش ہو کر بیٹی کو چھاتی سے لگا لیا اور منہ چوما، بلائیں لیں دعائیں دیں، اور رخصت کیا، کہ تو جو مناسب جان سو کر، میری خاطر جمع ہوئی۔

وزیرزادی پھر سوداگر بچہ بن کر خواجۂ سگ پرست پاس چلی۔ وہاں خواجہ کو جُدائی اُس کی شاق ہوئی، بے اختیار ہو کر کوچ کیا۔ اتفاقاً نزدیک شہر کے اِدھر سے سوداگر بچہ جاتا تھا، اور اُدھر سے خواجہ آتا تھا۔ عین راہ میں ملاقات ہوئی۔ خواجہ نے دیکھتے ہی کہا، بابا مجھ بوڑھے کو اکیلا چھوڑ کر کہاں گیا تھا؟ سوداگر بچہ بولا آپ سے اجازت لے کر اپنے گھر گیا تھا، آخر ملازمت کے اشتیاق نے وہاں رہنے نہ دیا، آ حاضر ہوا۔ شہر کے دروازے

پر دریا کے کنارے ایک باغ سایہ دار دیکھ کر خیمہ استاد کیا اور وہیں اُترے۔ خواجہ اور سوداگر بچہ باہم بیٹھ کر پنیے کھانے لگے۔ جب عصر کا وقت ہوا، سیر و تماشے کی خاطر خیمے سے نکل کر کرسیوں پر بیٹھے۔ اتفاقاً ایک بادشاہی میر شکار اُدھر آنکلا، اُن کا لشکر آور نشست برخاست دیکھ کر اچنبھے ہوا اور دل میں کہا، شاید ایلچی کسی بادشاہ کا آیا ہے۔ کھڑا تماشا دیکھتا تھا۔

خواجہ کے ملازم نے اُس کو آگے بلایا اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ اُس نے کہا میں بادشاہ کا میر شکار ہوں۔ ملازم نے خواجہ سے اُس کا احوال کہا خواجہ نے ایک غلام کو کہا کہ جا کر اس سے کہہ، کہ ہم مسافر ہیں، اگر جی چاہے تو آؤ بیٹھو، قہوہ حاضر ہے۔ جب میر شکار نے نام سوداگر کا سنا زیادہ حیران ہوا، اور خواجہ کی مجلس میں آیا، لوازم اور شان و شوکت، سپاہ و غلام دیکھے۔ خواجہ اور سوداگر بچہ کو سلام کیا اور مرتبہ کے تئیں نگاہ کیا۔ ہوش اُس کے جاتے رہے، ہکّا بکّا سا ہو گیا۔ خواجہ نے اُسے ٹھہلا کر قہوے کی ضیافت کی، اُس نے نام و نشان خواجہ کا پوچھا۔ جب رخصت مانگی خواجہ نے کئی تھان اور کچھ تحفے اُسے دے کر اجازت دی۔ صبح کو جب بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا، درباریوں سے خواجہ سوداگر کا ذکر کرنے لگا، رفتہ رفتہ مجھ کو خبر ہوئی، میر شکار کو میں نے طلب کیا اور سوداگر کا حال پوچھا۔

اُس نے جو کچھ دیکھا تھا عرض کیا۔ سننے سے کتّے کے تجمّل کے اور دو آدمیوں کے پنجرے میں مقید ہونے کے مجھ کو غصّہ آیا۔ میں نے فرمایا

وہ مردود تاجر واجب القتل ہے۔ حکم دیا کہ جلد جاؤ، اس بے دین کا سر کاٹ لاؤ۔ وہی فرنگ کا ایلچی دربار میں حاضر تھا، مسکرایا مجھے اور بھی غصہ آیا، فرمایا کہ اے بے ادب! پادشاہوں کے حضور میں بے سبب دانت کھولنے ادب سے باہر ہیں، بے محل ہنسنے سے رونا بہتر ہے۔ اُس نے التماس کیا، جہاں پناہ! کئی باتیں خیال میں گذریں۔ اس لئے فدوی تبسّم کیا۔ پہلی یہ کہ وزیر سچا ہے اب قید خانے سے رہائی پائے گا، دوسری یہ کہ پادشاہ خون ناحق سے بچا، تیسری یہ کہ قبلۂ عالم نے بے سبب اور بے قصور اُس سوداگر کو قتل کا حکم کیا۔ ان حرکتوں سے تعجب آیا کہ بے تحقیق ایک بے وقوف کے کہنے سے آپ ہر کسی کو قتل کا حکم کر بیٹھتے ہیں۔ خدا جانے فی الحقیقت اُس خواجہ کا احوال کیا ہے! اُسے حضور میں طلب کیجئے اور اس کے واقعات دریافت کیجئے۔ اگر قصور دار ٹھیرے۔ تب مختار ہیں جو مرضی میں آئے اُس سے سلوک کیجئے۔

جب ایلچی نے اس طرح سے سمجھایا، مجھے بھی وزیر کا کہنا یاد آیا، فرمایا جلد سوداگر کو حاضر کرو۔ اُس کے بلانے کو لوگ دوڑائے، ایک دم میں سب کو حضور میں لے آئے۔ پہلے خواجہ اور اُس کا پسر آیا، دونوں لباس فاخرہ پہنے ہوئے۔ سوداگر بچے کا جمال دیکھنے سے سب ادنیٰ اعلیٰ حیران ہوئے۔ ایک طلائی خوان جواہر سے بھرا ہوا، سوداگر بچہ ہاتھ میں لئے آیا۔ اور میرے تخت کے آگے نچھاور کیا، آداب، کورنشات بجالاکر کھڑا ہوا، خواجہ نے بھی زمین چومی اور دعا دی۔ اس گویائی

سے بوتا تھا کہ گویا بلبل ہزار داستاں ہے۔ میں نے اُس کی لیاقت کو بہت پسند کیا۔ لیکن عتاب کے روسے کہا، اے شیطان، آدمی کی صورت! تونے کیا جال پھیلایا ہے۔ اور اپنی راہ میں کواں کھودا ہے؟ تیرا کیا دین ہے اور یہ کونسا آئین ہے؟ کس پیغمبر کی امت ہے؟ اگر کافر ہے تو بھی یہ کیسی مَت ہے؟ اور تیرا کیا نام ہے کہ تیرا یہ کام ہے؟

اس نے کہا قبلۂ عالم کی عمر بڑھتی رہے، غلام کا دین یہ ہے کہ خدا واحد ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں اور محمد مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلمہ اور پانچوں وقت کی نماز پڑھتا ہوں اور روزہ رکھتا ہوں اور حج بھی کرآیا ہوں اور اپنے مال سے زکوٰۃ دیتا ہوں اور مسلمان کہلاتا ہوں لیکن ظاہر میں یہ سارے عیب جو مجھ میں بھرے ہیں جن کے سبب سے آپ ناخوش ہوئے ہیں اور تمام خلق اللہ میں بدنام ہو رہا ہوں، اس کا ایک باعث ہے کہ ظاہر نہیں کرسکتا۔ ہرچند سگ پرست مشہور ہوں اور دوگنا محصول دیتا ہوں یہ سب قبول کیا ہے، پر دل کا بھید کسی سے نہیں کہا۔ اس بہانے سے میرا غصہ زیادہ ہوا اور کہا مجھے تو باتوں میں پھُسلاتا ہے، میں نہیں ماننے کا جب تک اس گمراہی کی معقول دلیل عرض نہ کرے کہ میرے دلنشیں ہو، تب تو جان سے بچیگا نہیں تو اس کے قصاص میں تیرا پیٹ چاک کراؤں گا۔ تاکہ سب کو عبرت ہو کہ بار دیگر کوئی دین میں رخنہ نہ کرے۔

خواجہ نے کہا۔ اے پادشاہ! مجھ کم بخت کے خون سے درگذر کر

اور جتنا مال میرا ہے کہ گنتی اور شمار سے باہر ہے سب کو ضبط کر لے، مجھے اور میرے بیٹے کو اپنے تخت کے تصدق کر کے چھوڑ دے۔ میں نے کہا اے بے وقوف! اپنے مال کی طمع مجھے دکھاتا ہے۔ سوائے سچ بولنے کے اب تیری آزادی ممکن نہیں۔ یہ سنتے ہی خواجہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپکنے لگے، اور اپنے بیٹے کی طرف دیکھ کر ایک آہ بھری اور بولا، میں تو بادشاہ کے روبرو گنہگار ٹھیرا، مارا جاؤں گا، اب کیا کروں؟ تجھے کس کو سونپوں؟ میں نے ڈانٹا کہ اے مکّار! بس اب عذر بہت کئے، جو کہنا ہے جلد کہہ۔

تب تو اُس مرد نے قدم بڑھا کر تخت کے پاس آکر پائے کو بوسہ دیا اور بولا، اے شہنشاہ! اگر حکم قتل کا میرے حق میں نہ ہوتا تو سب سہتا اور اپنا ماجرا نہ کہتا۔ لیکن جان سب سے عزیز ہے، کوئی آپ سے کوئیں میں نہیں گرتا۔ پس جان کی حفاظت واجب ہے، اور ترک واجب کا خلاف حکم خدا کے ہے۔ خیر جو مرضیِ مبارک یہی ہے، تو سرگذشت اس پیر ضعیف کی سنیئے۔ پہلے حکم ہو کہ وہ دونوں قفس جن میں دو آدمی قید ہیں حضور میں لا کر رکھیں۔ میں اپنا احوال کہتا ہوں، اگر کہیں جھوٹ کہوں، تو اُن سے پوچھ کر مجھے قائل کیجئے اور انصاف فرمائیے۔ مجھے یہ بات اس کی پسند آئی، پنجروں کو منگوا کر دونوں کو نکلوا کر خواجہ کے پاس کھڑا کیا۔

خواجہ نے کہا اے بادشاہ! یہ مرد جو داہنی طرف ہے غلام کا بڑا بھائی ہے اور جو بائیں کو کھڑا ہے منجھلا بھائی ہے۔ میں ان دونوں سے

چھوٹا ہوں، میرا باپ ملک فارس میں سوداگر تھا، جب میں چودہ برس کا ہوا، قبلہ گاہ نے رحلت کی۔ جب تجہیز و تکفین سے فراغت ہوئی، ایک دن ان دونوں نے مجھ سے کہا کہ اب باپ کا مال جو کچھ ہے تقسیم کریں جس کا دل جو چاہے سو کام کرے۔ میں نے کہا اے بھائیو! یہ کیا بات ہے؟ میں تمہارا غلام ہوں، بھائی چاری کا دعویٰ نہیں رکھتا۔ ایک باپ مرگیا، تم دونوں میرے باپ کی جگہ میرے سر پر ہو ایک نان خشک چاہتا ہوں جس میں زندگی بسر کروں اور تمہاری خدمت میں حاضر رہوں مجھے حصّے بخرے سے کیا کام ہے؟ تمہارے آگے کے جھوٹے سے اپنا پیٹ بھر لوں گا، اور تمہارے پاس رہوں گا۔ میں لڑکا ہوں، کچھ پڑھا لکھا بھی نہیں، مجھ سے کیا ہو سکے گا؟ ابھی تم مجھے تربیت کرو۔

یہ سُن کر جواب دیا کہ تو چاہتا ہے اپنے ساتھ ہمیں بھی خراب اور محتاج کرے۔ میں چپکا ایک گوشے میں جا کر رونے لگا، پھر دل کو سمجھایا کہ بھائی آخر بزرگ ہیں، میرے تعلیم کی خاطر چشم نمائی کرتے ہیں کہ کچھ سیکھے۔ صبح کو ایک پیادہ آیا اور مجھے دارالشرع میں لے گیا۔ دیکھا تو یہی دونوں بھائی حاضر ہیں قاضی نے کہا کیوں اپنے باپ کا ورثہ بانٹ نہیں لیتا؟ میں نے گھر میں جو کہا تھا وہاں بھی جواب دیا۔ بھائیوں نے کہا، اگر یہ بات اپنے دل سے کہتا ہے، تو ہمیں لا دعویٰ لکھ دے، کہ باپ کے مال و اسباب سے مجھے کچھ تعلق نہیں۔ تب بھی میں نے یہی سمجھا کہ یہ دونوں میرے بزرگ ہیں۔ میری نصیحت کے واسطے کہتے ہیں، کہ باپ کا مال لے کر بے جا تصرف نہ کرے۔

بہ موجب ان کی مرضی کے فارغ خطی میں نے لکھ دی۔

دوسرے دن مجھ سے کہنے لگے، اے بھائی! یہ مکان جس میں تو رہتا ہے ہمیں درکار ہے تو اپنی بود و باش کی خاطر اور جگہ لے کر جا۔ تب میں سمجھا کہ یہ باپ کی حویلی میں بھی رہنے سے خوش نہیں، لاچار ارادہ اُٹھ جانے کا کیا۔ جہاں پناہ! جب میرا باپ جیتا تھا، تو جس وقت سفر سے آتا، ہر ایک ملک کا تحفہ بطریق سوغات کے لاتا اور مجھے دیتا۔ اس واسطے کہ چھوٹے بیٹے کو ہر کوئی زیادہ پیار کرتا ہے۔ میں نے اُن کو بیچ بیچ کر تھوڑی سی اپنی نج کی پونجی بہم پہنچائی تھی، اُسی سے کچھ خرید فروخت کرتا۔

آخر ان کی بے مروتی دیکھ کر ایک حویلی خریدی، وہاں جا رہا، یہ کتا بھی میرے ساتھ چلا آیا۔ اسباب خانہ داری کا جمع کیا دو غلام مول لئے اور باقی پونجی سے ایک دوکان بزازی کی کر کے خدا کے توکل پر بیٹھا اپنی قسمت پر راضی تھا۔ اگرچہ بھائیوں نے بدخلقی کی، پر خدا جو مہربان ہوا تین برس کے عرصے میں ایسی دوکان جمی کہ میں صاحبِ اعتبار ہوا۔ سب سرکار میں جو تحفہ چاہتا، میری ہی دوکان سے جاتا۔ اُس میں بہت سے روپے کمائے اور نہایت فراغت سے گذرنے لگی۔ ہر دم جناب باری میں شکرانہ کرتا اور آرام سے رہتا۔

اتفاقاً جمعے کے روز میں اپنے گھر بیٹھا تھا کہ ایک غلام روتا ہوا آیا میں نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ خفا ہو کر بولا کہ تمہیں کیا؟ تم خوشی مناؤ۔ لیکن قیامت میں کیا جواب دوگے؟ میں نے کہا اے حبشی! ایسی کیا بلا تجھ پر

نازل ہوئی؟ اُس نے کہا یہ غضب ہے کہ تمہارے بڑے بھائیوں کی چوک میں ایک یہودی نے مشکیں باندھی ہیں اور تھپیاں مارتا ہے اور ہنستا ہے کہ اگر میرے روپے نہ دوگے تو مارتے مارتے مار ڈالوں گا۔ تمہارے بھائیوں کی یہ نوبت اور تم بے فکر ہو، لوگ کیا کہیں گے؟ یہ بات غلام سے سنتے ہی لہو نے جوش کیا، ننگے پاؤں بازار کی طرف دوڑا اور غلاموں کو کہا جلد روپے لے کر آؤ۔ دیکھا تو جو کچھ غلام نے کہا تھا سچ ہے، اُن پر مار پڑ رہی ہے۔ حاکم کے پیادوں کو کہا، واسطے خدا کے ذرا ٹھیرو، میں یہودی سے پوچھوں کہ ایسا کیا قصور ہے جس کے بدلے یہ تعزیر کی ہے۔

میں یہودی کے نزدیک گیا اور کہا، اِن کو کیوں مار رہا ہے؟ اس نے جواب دیا اگر حمایت کرتے ہو، تو پوری کرو، اِن کے عوض روپے حوالے کرو، نہیں تو اپنے گھر کی راہ لو۔ میں نے کہا، کیسے روپے؟ دستاویز نکال، میں روپے گن دیتا ہوں۔ غرض ہزار روپے میں نے یہودی کو دئے اور بھائیوں کو چھڑایا۔ اور اپنے ہمراہ گھر لایا۔ حمام میں نہلوایا، نئی پوشاک پہنائی کھانا کھلایا۔ ہرگز ان سے یہ نہ کہا، کہ اتنا مال باپ کا تم نے کیا کیا؟

اے پادشاہ! یہ دونوں موجود ہیں، پوچھئے کہ سچ کہتا ہوں یا کوئی بات جھوٹ بھی ہے؟ خیر جب کئی دن میں مار کی کوفت سے بحال ہوئے ایک روز میں نے کہا کہ اے بھائیو! اب اس شہر میں تم بے اعتبار ہو گئے ہو، بہتر یہ ہے کہ چند روز سفر کرو۔ یہ سُن کر چپ ہو رہے۔ میں نے معلوم کیا کہ راضی ہیں۔ سفر کی تیاری کرنے لگا۔ باربرداری اور سواری کی

فکر کر کے بیس ہزار روپے کی جنس تجارت کی خرید کی۔ ایک قافلہ سوداگروں کا بخارا کو جاتا تھا، اُن کے ساتھ کر دیا۔

بعد ایک سال کے وہ کاروان پھر آیا، اُن کی خیر خبر کچھ نہ پائی، آخر ایک دوست سے قسمیں دیکر پوچھا۔ اس نے کہا جب بخارا گئے ایک نے جوئے خانے میں اپنا تمام مال ہار دیا، اب وہاں کی جاروب کشی کرتا ہے جواری جو جمع ہوتے ہیں اُن کی خدمت کرتا ہے وہ بطور خیرات کے کچھ دیتے ہیں۔ اور دوسرا ایک لڑکی پر عاشق ہوا اپنا سارا مال صرف کیا، اب خدمتگاری کرتا ہے۔ قافلے کے آدمی اس لئے نہیں کہتے کہ تو شرمندہ ہوگا۔

یہ سُن کر میری حالت عجب ہوئی فوراً زاد راہ لے کر قصد بخارا کا کیا۔ وہاں پہنچا اور دونوں کو ڈھونڈھ اپنے مکان میں لایا۔ نئی پوشاک پہنائی اور ان کی خجالت کے ڈر سے ایک بات بھی منہ پر نہ رکھی۔ پھر مال سوداگری کا ان کے واسطے خریدا، اور ارادہ گھر کا کیا۔ جب نزدیک نیشاپور کے آیا، ایک گاؤں میں معہ مال اسباب ان کو چھوڑ کر گھر میں آیا اس لئے کہ میرے آنے کی کسی کو خبر نہ ہو دو دن کے بعد مشہور کیا کہ میرے بھائی سفر سے آئے ہیں، کل ان کے استقبال کی خاطر جاؤں گا صبح کو چاہا کہ جاؤں، ایک آدمی اسی موضع کا میرے پاس آیا اور فریاد کرنے لگا۔ میں اس کی آواز سُن کر باہر آیا، پوچھا کہ کیوں زاری کرتا ہے؟ وہ بولا تمہارے بھائیوں کے سبب سے ہمارے گھر لوٹے گئے۔ کاش کہ اُن کو تم وہاں نہ چھوڑ آتے۔

میں نے پوچھا کیا مصیبت گذری ؟ بولا کہ رات کو ڈاکہ آیا، اُن کا مال واسباب لوٹا اور ہمارے گھر بھی لوٹ لے گئے۔ میں نے افسوس کیا۔ اور پوچھا کہ وہ دونوں کہاں ہیں ؟ کہا شہر کے باہر ننگے منگے خراب خستہ بیٹھے ہیں۔ دو جوڑے کپڑوں کے ساتھ لے کر گیا، پہنا کر گھر میں لایا۔ لوگ دیکھنے کو آتے تھے اور یہ مارے شرمندگی کے باہر نہ نکلتے تھے تین مہینے اسی طرح گذرے میں نے اپنے دل میں غور کیا، کہ کب تک یہ کونے میں دبکے بیٹھے رہیں گے ؟

بھائیوں سے کہا، اگر فرمائے تو یہ فدوی آپ کے ساتھ چلے یہ خاموش رہے، پھر لوازمہ سفر کا تیار کر کے چلا اور اُن کو ساتھ لیا۔ ایک مہینہ خیر و عافیت سے دریا میں گذرا، منجھلا بھائی میری لونڈی پر عاشق ہوا۔ ایک دن بڑے بھائی سے کہنے لگا، کہ چھوٹے بھائی کی منّت اُٹھانے سے بڑی شرمندگی ہوئی، اُس کا تدارک کیا کریں ؟ بڑے نے جواب دیا کہ ایک صلاح دل میں ٹھیرائی ہے، اگر بن آوے تو بڑی بات ہے۔ آخر دونوں نے مصلحت کر کے تجویز کی کہ اسے مار ڈالیں اور سارے مال واسباب پر قابض ہوں۔

ایک دن میں سوتا تھا اور لونڈی پاؤں داب رہی تھی کہ منجھلا بھائی آیا اور جلدی سے مجھے جگایا۔ میں ہڑبڑا کر چونکا اور باہر نکلا، یہ کتا بھی میرے ساتھ ہو لیا۔ دیکھوں تو بڑا بھائی جہاز کی باڑ پر ہاتھ ٹیکے نہوڑا ہوا تماشا دریا کا دیکھ رہا ہے، اور مجھے پکارتا ہے۔ میں نے پاس جا کر کہا

خیر تو ہے؟ بولا عجب طرح کا تماشا ہو رہا ہے کہ دریائی آدمی موتی کی سیپیاں اور مونگے کے درخت ہاتھ میں لئے ہوئے ناچتے ہیں اگر اور کوئی ایسی بات خلاف قیاس کہتا تو میں نہ مانتا، بڑے بھائی کے کہنے کو راست جانا۔ دیکھنے کو سر جھکایا کچھ نظر نہ آیا اور وہ یہی کہتا رہا، اب دیکھا؟ لیکن کچھ ہو تو دیکھوں۔ مجھے غافل پاکر منجھلے نے اچانک ایسا ڈھکیلا کہ بے اختیار پانی میں گر پڑا اور وہ رونے لگے کہ دوڑو! ہمارا بھائی دریا میں ڈوبا۔

اتنے میں ناؤ بڑھ گئی اور دریا کی لہر مجھے کہیں سے کہیں لے گئی غوطے پر غوطے کھاتا تھا اور موجوں میں چلا جاتا تھا۔ آخر تھک گیا، خدا کو یاد کرتا تھا، کچھ بس نہ چلتا تھا۔ ایکبارگی کسی چیز پر ہاتھ مارا تو دیکھا وہی کتا ہے۔ شاید جس دم مجھے دریا میں ڈالا، میرے ساتھ یہ بھی کودا اور پیرتا ہوا میرے ساتھ لپٹا چلا آتا تھا۔ میں نے اُس کی دم پکڑ لی۔ اللہ نے اس کو میری زندگی کا سبب کیا۔ سات دن اور رات یہی صورت گذری۔ آٹھویں دن کنارے جا لگے، طاقت مطلق نہ تھی، لیٹے لیٹے کروٹیں کھا کر خود کو خشکی میں ڈالا۔ ایک دن بے ہوش پڑا رہا۔ دوسرے دن کتے کی آواز کان میں آئی ہوش میں آیا۔ خدا کا شکر بجا لایا۔ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا دور سے سواد شہر کا نظر آیا لیکن قوت کہاں کہ ارادہ کروں! لاچار دو قدم چلتا پھر بیٹھتا، اسی حالت سے شام تک کوس بھر راہ کاٹی۔

صبح کو شہر میں داخل ہوا۔ جب بازار میں گیا، حلوائیوں کی دوکانیں نظر آئیں دل ترسنے لگا، نہ پاس پیسہ جو خرید کروں۔ نہ جی چاہے کہ مفت

مانگوں اسی طرح اپنے دل کو تسلّی دیتا ہوا کہ اگلی دوکان سے لونگا چلا جاتا تھا آخر طاقت نہ رہی اور پیٹ میں آگ لگی، نزدیک تھا کہ روح بدن سے نکلے۔ ناگاہ دو جوانوں کو دیکھا کہ عجم کا لباس پہنے اور ہاتھ پکڑے چلے آتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر خوش ہوا کہ یہ اپنے ملک کے انسان ہیں شاید آشنا صورت ہوں، ان سے اپنا احوال کہوں گا۔ جب نزدیک آئے تو میرے دونوں برادر حقیقی تھے۔ دیکھ کر بہت خوش ہوا، شکر خدا کا کیا کہ خدا نے آبرو رکھ لی غیر کے آگے ہاتھ نہ پسارا۔ نزدیک جا کر سلام کیا۔ منجھلے بھائیؑ نے طمانچہ مارا کہ میں لڑکھڑا کر گر پڑا۔ بڑے بھائیؑ کا دامن پکڑا، اُس نے لات ماری۔

غرض دونوں نے مجھے خوب مارا۔ میں نے خدا کے واسطے دیئے اور رویا۔ ہرگز رحم نہ کھایا۔ ایک خلقت اکھٹی ہوئی، پوچھا اس کا کیا قصور ہے؟ بھائیوں نے کہا، یہ ہمارے بھائیؑ کا نوکر تھا، سو اس کو دریا میں ڈال دیا اور مال واسباب سب لے لیا۔ ہم مدّت سے تلاش میں تھے آج نظر آیا اور مجھ سے پوچھتے تھے کہ اے ظالم! یہ کیا تیرے دل میں آیا کہ ہمارے بھائیؑ کو مار کھپایا۔ پھر اُن دونوں نے اپنے گریبان چاک کر ڈالے، اور بے اختیار جھوٹ موٹ بھائیؑ کی خاطر روتے اور مجھے لات مُکّے مارتے تھے۔

اتنے میں حاکم کے پیادے آئے، اُن کو ڈانٹا کہ کیوں مارتے ہو؟ اور میرا ہاتھ پکڑ کر کوتوال کے پاس لے گئے یہ دونوں بھی ساتھ چلے اور حاکم سے بھی یہی کہا اور بطور رشوت کے کچھ دے کر اپنا انصاف چاہا اور خون ناحق کا دعویٰ کیا۔ حاکم نے مجھ سے پوچھا۔ میری یہ حالت تھی

کہ مارے بھوک اور مار پیٹ کے طاقت گویائی کی نہ تھی۔ سر نیچے کئے کھڑا تھا، کچھ منہ سے جواب نہ نکلا۔ حاکم کو بھی یقین ہوا کہ خونی ہے، فرمایا کہ اسی میدان میں لیجا کر سولی دو۔ جہاں پناہ! میں نے روپے دے کر ان کو یہودی کی قید سے چھڑایا تھا، اس کے عوض انھوں نے بھی روپے خرچ کر کے میری جان کا قصد کیا۔ یہ دونوں حاضر ہیں، ان سے پوچھیئے کہ میں جھوٹ تو نہیں کہتا ہوں۔

سوائے اس کتے کے کوئی میرا رونے والا نہ تھا، اس کی یہ حالت تھی کہ ہر ایک کے پاؤں میں لوٹتا اور چلاتا تھا۔ میں روبقبلہ کھڑا ہو خدا سے کہتا تھا، کہ اس وقت تیرے سوا میرا کوئی نہیں جو آڑے آئے اور بچائے یہ کہہ کر کلمہ شہادت کا پڑھ کر گر پڑا۔ خدا کی حکمت سے اُس شہر کے بادشاہ کو قولنج کی بیماری ہوئی جو علاج کرتے فائدہ نہ ہوتا تھا، ایک بزرگ نے کہا کہ سب سے بہتر یہ دوا ہے کہ محتاجوں کو خیرات کرو اور قیدیوں کو آزاد کرو، دوا سے دعا میں بڑا اثر ہے۔ اسی وقت شاہی ملازم قید خانوں کی طرف دوڑے۔

اتفاقاً ایک اُس میدان میں آنکلا، تیزی سے گھوڑی کو دار کے نزدیک لاکر تلوار سے طنابیں کاٹ دیں۔ حاکم کے پیادوں کو ڈانٹا کہ ایسے وقت میں کہ بادشاہ کی یہ حالت ہے، تم خدا کے بندے کو قتل کرتے ہو! اور مجھے چھڑوا دیا۔ تب یہ دونوں حاکم کے پاس گئے، کوتوال نے تو رشوت کھائی تھی جو یہ کہتے تھے سو کرتا تھا۔

کوتوال نے اُن سے کہا کہ خاطر جمع رکھو، اب میں اسے ایسا قید کرتا ہوں کہ آپ سے آپ مرجائے کسی کو خبر نہ ہو۔ مجھے پکڑ لائے اور ایک گوشے میں رکھا۔ اس شہر سے باہر ایک کوس پر ایک پہاڑ تھا کہ حضرت سلیمانؑ کے وقت میں دیووں نے ایک کوُاں تنگ و تاریک اس میں کھودا تھا اس کا نام زندان سلیمان تھا۔ جس پر بڑا غضب شاہی ہوتا اُسے وہاں محبوس کرتے وہ خود بخود مرجاتا۔ القصہ رات کو چپکے یہ دونوں بھائی اور کوتوال مجھے اس پہاڑ پر لے گئے اور اُس غار میں ڈال کر پھرے۔ اے بادشاہ! یہ کتا میرے ساتھ چلا، جب مجھے کوئیں میں گرایا، تب یہ اس کے مینڈ پر لیٹ رہا۔ میں اندر بے ہوش پڑا رہا۔ ذرا ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو مردہ خیال کیا اور اُس مکان کو قبر سمجھا۔ اس میں دو شخصوں کی آواز کان میں پڑی کہ کچھ آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ یہی سمجھا کہ منکر نکیر ہیں، تجھ سے سوال کرنے آئے ہیں۔ سرسراہٹ رسّی کی سُنی، جیسے کسی نے وہاں لٹکائی۔ میں حیرت میں تھا، زمین کو ٹٹولتا تو ہڈیاں ہاتھ میں آتیں۔

ایک ساعت کے بعد آواز چپڑ چپڑ منہ چلانے کی میرے کان میں آئی جیسے کچھ کھاتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ اے خدا کے بندو! تم کون ہو؟ خدا کے واسطے بتاؤ وہ ہنسے اور بولے، یہ زندان سلیمان کا ہے، اور ہم قیدی ہیں۔ میں نے اُن سے پوچھا، کیا میں جیتا ہوں؟ پھر کھلکھلا کر ہنسنے لگے اور کہا اب تک تو تو زندہ ہے، پر اب مرے گا۔ میں نے کہا، تم کیا کھاتے ہو؟ مجھے بھی تھوڑا سا دو۔ جھنجھلا کر خالی جواب دیا اور

کچھ نہیں دیا۔ قبلۂ عالم! سات دن دریا میں اور اتنے دن بھائیوں کے بہتان کے سبب دانہ میسّر نہ آیا، اور ایسے زندان میں پھنسا کہ رہائی کی صورت مطلق خیال میں نہ آتی تھی۔

آخر جان کنی کی نوبت پہنچی، اس کتّے نے ایک شخص کو دوسرے دو قیدیوں کو روٹی، پانی پہنچاتے ہوئے دیکھ کر عقل دوڑائی کہ جس طرح یہ شخص آب و نان کوئیں میں لٹکا دیتا ہے تو بھی اپنے بیکس آقا کے لئے فکر کر۔ یہ خیال کر کے شہر میں گیا، نان بائی کی دوکان میں جست مار ایک کلچہ منہ میں لیا اور بھاگا، لوگ پیچھے دوڑے اور شہر کے کتّے پیچھے لگے، ان سے لڑتا بھڑتا روٹی بچائے اس کوئیں پر آیا۔ اور روٹی اندر ڈالی دن تھا۔ میں نے روٹی کو اپنے پاس پڑا دیکھا اور کتے کی آواز سنی، اٹھالیا۔ کتا روٹی پھینک کر پانی کی تلاش میں گیا۔

گاؤں کے کنارے ایک بڑھیا کی جھونپڑی تھی، ٹھلیا اور بدھنا پانی سے بھرا ہوا تھا اور وہ بڑھیا چرخا کاتتی تھی۔ کتا کوزے کے پاس گیا، چاہا کہ لوٹے کو اُٹھائے۔ عورت نے ڈانٹا، لوٹا اُس کے منہ سے چھوٹا، گھڑے پر گرا، مٹکا پھوٹا، باقی برتن لڑھ گئے پانی بہہ چلا۔ بڑھیا لکڑی لے کر مارنے اُٹھی یہ کتا اس کے دامن میں لپٹ گیا، اس کے پاؤں پر منہ ملنے اور دُم ہلانے لگا، اور پہاڑ کی طرف دوڑ گیا، پھر اس کے پاس آکر کبھی رسّی اُٹھاتا، کبھی ڈول منہ میں پکڑ کر دکھاتا اور منہ اُس کے قدموں پر رگڑتا اور آنچل چادر کا پکڑ کر کھینچتا۔ خدا نے اُس عورت کے

دل میں رحم ڈالا کہ ڈول رسی کو لے کر اُس کے ہمراہ چلی۔ یہ اُس کا آنچل پکڑے گھر سے باہر ہو کر آگے آگے ہو لیا۔

آخر اُس کو پہاڑی پر لے آیا، عورت کے جی میں کتّے کی اس حرکت سے الہام ہوا کہ اُس کا میاں اس غار میں گرفتار ہے، شاید اس کی خاطر پانی چاہتا ہے۔ غرض پیرزن کو لئے ہوئے غار کے منہ پر آیا۔ عورت نے لوٹا پانی کا بھر کر رسی سے لٹکایا، میں نے وہ لے لیا اور نان کا ٹکڑا کھایا دو تین گھونٹ پانی پیا، اس پیٹ کے کتّے کو راضی کیا۔ خدا کا شکر کر کے ایک کنارے بیٹھا اور خدا کی رحمت کا منتظر تھا، کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے؟ یہ حیوانِ بے زبان اسی طور سے نان لے آتا اور بڑھیا کے ہاتھ پانی پلواتا جب بھٹیاروں نے دیکھا کہ کتّا ہمیشہ آتا ہے روٹی اس کے آگے پھینک دیتے اور اگر وہ عورت پانی نہ لاتی، تو یہ اُس کے برتن پھوڑا ڈالتا۔ لاچار وہ بھی ہر روز ایک صراحی پانی کی دے جاتی۔ اُس رفیق نے آب و نان سے میری خاطر جمع کی، اور آپ زندان کے منہ پر پڑا رہتا۔ اِس طرح چھ مہینے گذرے، لیکن جو آدمی ایسے زندان میں رہے کہ دنیا کی ہوا اُس کو نہ لگے اُس کا کیا حال ہو! نرا پوست و استخوان مجھ میں باقی رہا۔ زندگی وبال ہوئی جی میں آتا کہ یا الٰہی! یہ دم نکل جائے تو بہتر ہے۔

ایک روز رات کو وہ دونوں قیدی سوتے تھے، میرا دل اُمنڈ آیا بے اختیار رونے لگا، اور خدا کی درگاہ میں سجدہ کیا۔ پچھلے پہر کیا دیکھتا ہوں، کہ خدا کی قدرت سے ایک رسّی غار میں لٹکی، اور آواز سُنی کہ

اے کم بخت بدنصیب! ڈور کا سرا اپنے ہاتھ میں مضبوط باندھ اور یہاں سے نکل۔ میں نے سُن کر دل میں خیال کیا کہ آخر بھائی مجھ پر مہربان ہو کر لہو کے جوش سے آپ ہی نکالنے آئے۔ نہایت خوشی سے اُس طناب کو کمر میں کسا، کسی نے مجھے اوپر کھینچا۔ رات ایسی اندھیری تھی کہ جس نے مجھے نکالا اُس کو میں نے نہ پہچانا کہ کون ہے۔ جب میں باہر آیا اُس نے کہا جلد آ یہاں کھڑے ہونے کی جگہ نہیں۔ مجھ میں طاقت تو نہ تھی پر مارے ڈر کے پہاڑ سے نیچے آیا۔ دیکھا تو دو گھوڑے زین بندھے ہوئے کھڑے ہیں۔ اُس شخص نے ایک پر مجھے سوار کیا اور ایک پر آپ چڑھ اور آگے ہوا جاتے جاتے دریا کے کنارے پر پہنچا۔

صبح ہوگئی اس شہر سے دس بارہ کوس نکل آئے، اُس جوان کو دیکھا کہ زرہ بکتر پہنے چار آئینہ باندھے گھوڑے پر پاکھر ڈالے میری طرف غضب کی نظروں سے گھور کر اور اپنا ہاتھ دانتوں سے کاٹ کر تلوار میان سے کھینچی اور گھوڑے کو جست کر کے مجھ پر چلائی۔ میں نے خود کو گھوڑے پر سے نیچے گرا دیا اور عاجزی کرنے لگا کہ میں بے قصور ہوں مجھے کیوں قتل کرتا ہے؟ اے صاحب مروّت! ویسے زندان سے تو نے مجھے نکالا اب یہ بے مروّتی کیا ہے؟ اس نے کہا سچ کہہ تو کون ہے؟ میں نے کہا کہ مسافر ہوں، ناحق گرفتار ہو گیا تھا، تمہارے تصدق سے بارے جیتا نکلا ہوں اور بہت باتیں خوشامد کی کیں۔

خدا نے اُس کے دل میں رحم ڈالا، شمشیر کو غلاف کیا اور بولا، خیر

خدا جو چاہے سو کرے۔ جا تیری جان بخشی کی، جلد سوار ہو یہاں توقف کرنا مناسب نہیں۔ گھوڑوں کو تیز کیا۔ ظہر کے وقت تک ایک جزیرے میں جا پہنچے۔ وہاں گھوڑے سے اُترا، مجھے بھی اُتارا۔ کمر سے ہتھیار کھول ڈالے اور مجھ سے مخاطب ہوا، "اے بدنصیب! اب اپنا احوال کہہ تو معلوم ہو کہ تو کون ہے؟ میں نے اپنا سارا حال کہہ سنایا۔

اس جوان نے جب میری سرگذشت سُنی، رو دیا، پھر کہا کہ ای جوان اب میرا ماجرا سن، میں زیرباد کے دیس کے راجا کی لڑکی ہوں، اور وہ گبر جو زندانِ سلیمان میں قید ہے اس کا نام بہرہ مند ہے، میرے باپ کے وزیر کا بیٹا ہے۔ ایک روز مہاراج نے حکم دیا کہ جتنے راجا اور کنور ہیں، میدان میں زیر جھروکے کے نکل کر تیراندازی اور چوگاں بازی کریں تو شہسواری اور کسب ہر ایک کا ظاہر ہو، میں رانی کے بازو جو میری ماں تھیں اوجھل میں بیٹھی تماشا دیکھ رہی تھی۔ یہ دیوان کا لڑکا سب میں سندر تھا اور گھوڑے کو کاوے دے کر کسب کر رہا تھا۔ مجھ کو بھایا اور دل سے اس پر مائل ہوئی۔

آخر جب بہت بے کل ہوئی، دائی سے کہا اور ڈھیر سا انعام دیا وہ اُس جوان کو پوشیدہ میرے محل میں لے آئی تب یہ بھی مجھے چاہنے لگا ایک روز چوکیداروں نے آدھی رات کو ہتھیار باندھے اور محل میں آتے دیکھ کر اُسے پکڑا اور راجہ سے کہا۔ اُسنے حکم قتل کا کیا، سب ارکان دولت نے کہہ کر سُن کر جان بخشی کرائی، تب فرمایا کہ اس کو زندان سلیمان میں ڈال دو اور دوسرا جوان جو اُس کے ہمراہ اسیر ہے، اس کا دوست ہے۔ اُس

رات کو وہ بھی اس کے ساتھ تھا، دونوں کو اس کوئیں میں چھوڑ دیا۔ آج تین برس ہوئے کہ وہ پھنسے ہیں، مگر کسی نے دریافت نہیں کیا کہ یہ جوان راجہ کے گھر میں کیوں آیا تھا۔ بھگوان نے میری عزت رکھی۔ اس کے بدلے میں نے اوپر لازم کیا ہے، کہ اَن اور جَل اس کو پہنچایا کروں جب سے اٹھوارے میں ایک دن آتی ہوں، اور آٹھ دن کا کھانا اکٹھا دے جاتی ہوں۔

کل کی رات خواب میں دیکھا کہ کوئی آدمی کہتا ہے کہ جلد اٹھ اور گھوڑا، جوڑا اور کمند اور کچھ نقد خرچ کے واسطے لے کر اُس غار پر جا، اور بچارے کو وہاں سے نکال، یہ سُن کر میں چونک پڑی اور مگن ہو کر مردانہ بھیس کیا اور ایک صندوقچہ جواہر و اشرفی سے بھر لیا اور یہ گھوڑا اور جوڑا لے کر وہاں گئی کہ کمند سے اُسے کھینچوں، قسمت میں تیرے تھا کہ قید سے اس طرح چھٹکارا پائے، شاید وہ کوئی دیوتا تھا کہ تیری رہائی کی خاطر مجھے بھجوایا۔ یہ کہہ کر پوری کچوری نکالی۔ ناشتا کیا۔ ایک ساعت کے بعد مجھے نہلا دھلا کر کپڑے پہنائے، میں دوگانہ شکرانے کا رو بقبلہ ہو کر پڑھنے لگا، وہ میری اس حرکت کو حیرت سے دیکھتی رہی۔

جب نماز سے فارغ ہوا پوچھنے لگی کہ یہ تو نے کیا کام کیا؟ میں نے کہا جس خالق نے ساری خلقت کو پیدا کیا اور تجھ سی محبوبہ سے میری خدمت کروائی۔ اُس کی ذات لاشریک ہے، اس کی میں نے عبادت کی، اور بندگی بجا لایا اور ادائے شکر کیا۔ یہ بات سن کر کہنے لگی، تم مسلمان ہو؟ میں نے کہا الحمدللہ۔ بولی میرا دل تمہاری باتوں سے خوش ہوا، مجھے بھی

سکھاؤ۔ میں نے کلمہ پڑھا اور اُس سے پڑھوایا۔ پھر وہاں سے گھوڑوں پر سوار ہو کر چلے، جہاں کہیں اُترتے وہ دین و ایمان کے ذکر کی فرمائش کرتی اور میں جو کچھ بیان کرتا توجہ سے سنتی۔

مسلسل دو مہینے تک چلتے رہے آخر ایک شہر نظر آیا کہ آبادی میں استنبول سے بڑا، اور آب و ہوا بہت خوشگوار تھی، دیکھ کر دل بہت شاد ہوا ایک حویلی خرید کر کے بود باش مقرر کی۔ جب کئی دن میں رنج سفر سے آسودہ ہوئے، کچھ اسباب ضروری درست کر کے اُس بی بی سے نکاح کیا۔ تین سال میں وہاں کے چھوٹے بڑوں سے مل جُل کر اعتبار بہم پہنچایا اور تجارت کا ٹھاٹھ پھیلایا۔ آخر وہاں کے سب سوداگروں سے سبقت لے گیا۔ ایک روز وزیر اعظم کی خدمت میں سلام کے لئے چلا، ایک میدان میں کثرت مجمع کی دیکھی۔ کسی سے پوچھا کہ کیوں اتنا اژدہام ہے؟ معلوم ہوا کہ دو آدمیوں کو ان کے جرم کے بدلے سنگسار کرنے لایا گیا ہے

مجھے خیال ہوا کہ آیا یہ کون ہیں جو ایسی مصیبت میں گرفتار ہوئے ہیں۔ بھیڑ کو چیر کر اندر گھسا، دیکھا تو یہی میرے دونوں بھائی ہیں۔ سر و پا برہنہ ان کو لئے جاتے ہیں۔ ان کو دیکھتے ہی خون نے جوش مارا۔ فوراً ایک مٹھی اشرفیاں دیں اور کہا ایک ساعت توقف کرو۔ وہاں سے حاکم کے گھر گیا۔ ایک دانہ یاقوت بے بہا کا نذر گذرانا اور ان کی شفاعت کی۔ حاکم نے کہا، ایک شخص اُن کا مدعی ہے، اور ان کے گناہ ثابت ہوئے ہیں اور پادشاہ کا حکم ہو چکا ہے۔ میں لاچار ہوں۔

آخر بہت منت وزاری کے بعد حاکم نے مدعی کو بلوا کر پانچ ہزار روپے پر راضی کیا، کہ وہ دعویٰ خون کا معاف کر دے۔ میں نے روپے گن دئے اور ایسی بلا سے رہائی دلوائی۔ جہاں پناہ! اُن سے پوچھیئے کہ سچ کہتا ہوں یا جھوٹ۔ وہ دونوں سر نیچا کئے شرمندہ کھڑے تھے۔ خیران کو گھر لایا۔ دیوان خانے میں رہنے کے لئے ایک جگہ بتلائی۔ اس دفعہ اپنی بیوی کو ان کے روبرو نہ کیا۔ تین برس تک وہ گھر میں رہے اور کوئی بُری حرکت اُن سے ظاہر نہ ہوئی۔

اتفاقاً میری نیک بخت بی بی ایک دن دیوان خانے میں آئی کوئی مرد نظر نہ پڑا اس نے برقعہ اُتارا، شاید یہ منجھلا بھائی لیٹا ہوا جاگ رہا تھا، دیکھتے ہی عاشق ہوا۔ بڑے بھائی سے کہا۔ دونوں نے میرے مار ڈالنے کی باہم صلاح کی۔ ایک روز کھانے کے بعد بڑے بھائی صاحب آبدیدہ ہوئے اور اپنے وطن کی خوبیاں بیان کرنے لگے یہ سُن کر دوسرے نے بھی تائید کی۔ میں نے کہا اگر ارادہ وطن کا ہے تو بہتر، میری بھی یہی آرزو ہے۔ اب انشاء اللہ میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ بی بی سے بھی ذکر کیا۔ وہ عاقلہ بولی کہ تم جانو لیکن پھر بھی کچھ دغا کیا چاہتے ہیں یہ تمہاری جان کے دشمن ہیں۔ بہر تقدیر تھوڑے عرصہ میں بڑا قافلہ سفر کے لئے جمع ہوا۔ اچھی ساعت دیکھ کر روانہ ہوا، لیکن اُن کی طرف سے ہوشیار رہتا اور ان کی دلجوئی کرتا۔

ایک روز ایک منزل پر منجھلے بھائی نے ذکر کیا، کہ یہاں سے ایک

فرسخ پر ایک چشمہ جاری ہے، اور میدان میں خود رو کوسوں تک لالہ و نافرمان اور نرگس و گلاب پھولا ہے۔ اگر اپنا اختیار ہوتا تو کل وہاں جاکر تفریح کرتے اور ماندگی بھی رفع ہوتی۔ میں بولا کہ صاحب مختار ہیں، فرماؤ تو کل کے دن مقام کریں اور وہاں چل کر سیر کرتے پھریں۔ یہ بولے ازیں چہ بہتر؟ میں نے حکم کیا کہ سارے قافلے میں کہہ دو کہ کل مقام ہے جب صبح ہوئی۔ ان دونوں بھائیوں نے کپڑے پہن کمر باندھ کر مجھے یاد دلایا کہ جلد ٹھنڈے ٹھنڈے چلئے۔ میں نے سواری مانگی، بولے کہ پاپیادہ لطف سیر کا ہوتا ہے سو سواری میں معلوم؟

دونوں غلاموں نے قہوہ دان لے لیا اور ساتھ ہوئے۔ راہ میں تیراندازی کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ جب قافلے سے دور نکل گئے، ایک غلام کو انھوں نے کسی کام کو بھیجا۔ تھوڑی دُور آگے بڑھ کر دوسرے کو اُس کے بلانے کے لئے رخصت کیا۔ کم بختی جو آئی میرے منہ میں جیسے کسی نے مہر دے دی۔ جو وہ چاہتے تھے سو کرتے تھے، مگر یہ کتّا ساتھ رہ گیا بہت دور نکل گئے۔ چشمہ نظر آیا نہ گلزار، وہاں میں نے اپنے پیچھے تلوار کی سی چمک دیکھی، مڑکر دیکھا تو منجھلے بھائی صاحب نے مجھ پر تلوار ماری کہ سر دوپارہ ہوگیا۔ اور بڑے بھائی نے بھی شانے پر لگائی۔ دونوں زخم کاری تھے گر پڑا تب ان دونوں نے خوب زخمی اور لہولہان کر دیا یہ کتّا میرا حال دیکھ کر ان پر بھپکا۔ اس کو بھی گھائل کیا بعد اس کے اپنے ہاتھوں سے اپنے بدنوں میں زخموں کے نشان کئے، اور سرو پا برہنہ

قافلے میں گئے اور ظاہر کیا کہ بدّوؤں نے اس میدان میں ہمارے بھائی کو شہید کر ڈالا اور ہم بھی لڑ بھڑ کر زخمی ہوئے۔ جلدی کوچ کرو نہیں تو اب کاروان پر گر کر سب کو لوٹ لیں گے۔ قافلے والوں نے بدّوؤں کا نام جو سُنا فوراً بدحواس ہوئے اور گھبرا کر کوچ کیا۔

میری بیوی نے جو ان کی خوبیاں اور سلوک سُن چکی تھی۔ یہ واردات ان جھوٹوں سے سُن کر جلد خنجر سے خود کو ہلاک کیا۔

اے درویشو! اُس خواجۂ سگ پرست نے جب اپنی کیفیت اور مصیبت اس طرح یہاں تک کہی مجھے بے اختیار رونا آیا۔ وہ سوداگر دیکھ کر کہنے لگا کہ قبلۂ عالم! اگر بے ادبی نہ ہوتی تو برہنہ ہو کر میں اپنا سارا بدن کھول کر دکھاتا۔ پھر بھی گریبان مونڈھے تک چیر کر دکھایا۔ واقعی چار اُنگل تن اُس کا بغیر زخم کے ثابت نہ تھا، سر سے عمامہ اُتارا، کھوپری میں ایسا بڑا گڑھا پڑا تھا کہ ایک انار سالم اُس میں سما جائے۔ ارکان دولت جتنے حاضر تھے سب نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ طاقت دیکھنے کی نہ رہی۔

پھر خواجہ بولا کہ بادشاہ سلامت! جب یہ بھائی اپنی دانست میں میرا کام تمام کر کے چلے گئے۔ ایک طرف میں اور ایک طرف یہ کتّا زخمی پڑا تھا۔ جس جگہ میں پڑا تھا وہ ولایت سراندیپ کی سرحد تھی اس کے قریب ایک آباد شہر تھا اور اُس میں ایک بڑا بت خانہ تھا اور وہاں کے بادشاہ کی بیٹی بڑی حسین و مقبول صورت تھی۔

اکثر بادشاہ اور شہزادے اس کے عشق میں خراب تھے۔ وہاں

پردہ کی رسم نہ تھی، وہ لڑکی تمام دن ہمجولیوں کے ساتھ سیر شکار کرتی پھرتی نزدیک ایک شاہی باغ تھا، اُس روز اُسی باغ میں آئی تھی۔ سیر کرتے اُس میدان میں آنکلی، ساتھ کئی خواصیں تھیں۔ کسی نے میری حالت دیکھی، فوراً دوڑتی گئی اور شہزادی سے کہا۔ ملکہ خود میرے پاس آئی دیکھ کر افسوس کرنے لگی اور کہا دیکھو تو کچھ جان باقی ہے؟ دو چار دائیوں نے دیکھا اور عرض کی اب تک تو زندہ ہے۔ فوراً فرمایا کہ قالیچے پر لٹا کر باغ میں لے چلو۔

وہاں لے جا کر سرکاری جراح کو بلایا میرے اور میرے کتے کے علاج کے لئے سخت تاکید کی۔ اس جراح نے میرا سارا بدن خون سے صاف کیا اور زخموں کو ٹانکے دے مرہم لگایا۔ ملکہ آپ میرے پاس بیٹھی رہتی اور میری خدمت کرواتی اور خود روزانہ دو چار بار شوربا و شربت اپنے ہاتھ سے پلاتی۔ دس روز کے بعد شربت اور معجونوں کی قوت سے میں نے آنکھ کھولی، تو دیکھا ملکہ سرہانے کھڑی ہے اور مہربانی سے کہہ رہی ہے کہ اے عجمی! خاطر جمع رکھ، اگرچہ کسی ظالم نے تیرا یہ احوال کیا لیکن بڑے بت نے مجھ کو تجھ پر مہربان کیا ہے۔ اب چنگا ہو جائے گا۔

قسم اُس خدا کی جو واحد اور لاشریک ہے، میں اُسے دیکھ کر پھر بے ہوش ہو گیا، ملکہ بھی سمجھ گئی اور گلاب اپنے ہاتھ سے چھڑکا بیس دن کے عرصے میں زخم بھر آئے اور انگور کر لائے۔ ملکہ ہمیشہ رات کو میرے پاس آتی اور کھلا پلا جاتی۔ غرض ایک چلّے میں غسل کیا، بادشاہزادی نہایت خوش ہوئی حجام کو انعام دیا اور مجھ کو پوشاک پہنوائی۔ خدا کے

فضل سے اور ملکہ کی خبرگیری سے خوب چاق چوبند ہوا اور کتا بھی فربہ ہوگیا۔

ایک دن پوچھنے لگی کہ تم کون ہو اور یہ واردات تم پر کیوں کر ہوئی میں نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ سُن کر رونے لگی اور بولی اب میں تجھ سے ایسا سلوک کروں گی کہ اپنی ساری مصیبت بھول جائے گا میں نے کہا خدا تمھیں سلامت رکھے، تم نے نئے سرے میری جان بخشی کی ہے، اسی طرح ہمیشہ مجھ پر اپنی مہربانی کی نظر رکھو۔ غرض تمام رات میرے پاس بیٹھی رہتی جب ملکہ جاتی تو میں کونے میں چھپ کر نماز پڑھ لیتا۔

ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ ملکہ اپنے باپ کے پاس گئی تھی میں بھی اطمینان سے وضو کر کے نماز پڑھنے لگا کہ اچانک شہزادی مجھے دیکھنے آئی، جگہ پر نہ پایا تو حیران ہوگئی، اور تلاش کرتے ہوئے وہاں آنکلی جہاں میں نماز پڑھ رہا تھا اس نے کبھی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، بے اختیار کھلکھلا کر ہنسی اور بولی کیا یہ سودائی ہوگیا ہے جو ایسی حرکتیں کر رہا ہے؟

جب میری نماز ختم ہوئی تو ملکہ آگے آکر پوچھنے لگی کہ اے عجمی! یہ تو کیا کرتا تھا؟ میں کچھ جواب نہ دے سکا۔ ملکہ کے ساتھ جو دائی تھی کہنے لگی کہ یہ شخص مسلمان معلوم ہوتا ہے۔ اَن دیکھے خدا کو پوجتا ہے۔ ملکہ غصے سے کہنے لگی کہ میں کیا جانتی تھی کہ یہ ترک ہے اور ہمارے خداؤں سے منکر ہے میں نے ناحق اس کی پرورش کی اور اپنے گھر میں رکھا، یہ کہتی ہوئی چلی گئی میں بدحواس ہوا کہ دیکھیئے اب کیا سلوک ہوتا ہے۔ مارے خوف کے نیند

اچاٹ ہو گئی، صبح تک بے اختیار رویا اور آنسوؤں سے منہ دھویا۔
تین دن رات اِسی خوف و رجا میں گذرے۔ تیسری شب ملکہ دائی کو ساتھ لئے آئی، باہر چمن کے کنارے بیٹھی کہنے لگی کہ وہ عجمی جو ہمارے بڑے بت کے قہر میں گرفتار ہے، مرا یا اب تک زندہ ہے؟ دائی نے کہا کچھ دم باقی ہے، بولی کہ اب وہ ہماری نظروں سے گرا، لیکن کہہ کہ باہر آئے دائی نے مجھے پکارا، میں دوڑتے ہوئے گیا، سلام کیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوا، ملکہ غضب کی نگاہ سے مجھے دیکھ کر دائی سے بولی اگر میں اس دین کے دشمن کو تیر سے ماروں تو میری خطا بڑا بت معاف کرے گا یا نہیں۔
دائی نے کہا، پادشاہزادی کی کیا خطا ہے؟ کچھ دشمن جان کر نہیں رکھا تم نے اُس پر ترس کھایا، تم کو نیکی کے عوض نیکی ملے گی اور یہ اپنی بدی کا ثمرہ پائے گا۔ یہ سُن کر کہا، دائی! اسے بیٹھنے کو کہو، دائی نے مجھے اشارہ کیا کہ بیٹھ جا، میں بیٹھ گیا۔ ملکہ نے جام شراب کا پیا اور دائی سے کہا کہ اس کم بخت کو بھی ایک پیالا دے تاکہ آسانی سے مارا جائے۔ میں نے بے عذر پیا۔ اور سلام کیا۔ جب مجھے سرور ہوا کچھ شعر پڑھے ازاں جملہ ایک بیت یہ بھی پڑھی:-

قابو میں ہوں میں تیرے گو اب جیا تو پھر کیا۔
خنجر تلے کسی نے تک دم لیا تو پھر کیا

سُن کر مسکرائی اور دائی کی طرف دیکھ کر بولی، کیا تجھے نیند آتی ہے؟ دائی نے مرضی پاکر کہا جی ہاں! وہ تو رخصت ہوئی۔ ملکہ نے مجھ سے پیالا

مانگا، میں جلد بھر کر پیش کیا۔ ایک ادا سے میرے ہاتھ سے لے کر پی لیا، تب قدموں پر گرا، ملکہ نے مجھ پر ہاتھ جھاڑا اور کہنے لگی، اے جاہل! ہمارے بڑے بُت میں کیا بُرائی دیکھی جو غائب خدا کو پوجنے لگا؟ میں نے کہا انصاف شرط ہے۔ غور فرمائے کہ بت کیا چیز ہے کہ کوئی اُس کی پوجا کرے؟ جن کو شیطان نے ورغلانا ہے۔ وہ مصنوع کو صانع جانتے ہیں۔ جسے اپنے ہاتھوں سے بناتے ہیں، اُس کے آگے سر جھکاتے ہیں اور ہم، جس نے ہمیں بنایا ہے اُسے مانتے ہیں اگر بادشاہزادی ایمان خدا پر لائے، تب اُس کا مزا پائے اور حق و باطل میں فرق کرے۔

ایسی نصیحتیں سُن کر اُس سنگ دل کا دل ملائم ہوا۔ رونے لگی اور بولی، اچھا مجھے بھی اپنا دین سکھاؤ۔ میں نے کلمہ پڑھایا، اس نے صدق دل سے پڑھا اور مسلمان ہوئی صبح تک کلمہ پڑھتی اور استغفار کرتی رہی، پھر کہنے لگی، بھلا میں نے تمہارا دین قبول کیا، لیکن ماں باپ کا کیا علاج میں نے کہا، تمہاری بلا سے جو جیسا کرے گا ویسا پائے گا بولی کہ مجھے چچا کے بیٹے سے منسوب کیا ہے، کل خدانخواستہ بیاہ ہو تو بڑی قباحت ہے، اس کی فکر ابھی سے چاہئے، کہ اس بلا سے نجات پاؤں۔ میں نے کہا تم بات تو معقول کہتی ہو۔ بولی کہ میں اب یہاں نہ رہوں گی، کہیں نکل جاؤں گی۔ میں نے پوچھا کس صورت سے اور کہاں جاؤ گی؟ جواب دیا کہ پہلے تم میرے پاس سے جاؤ، مسلمانوں کے ساتھ سراندیب جا رہو۔ جو جہاز عجم کی طرف چلے مجھے خبر کرو، میں دائی کو تمہارے پاس اکثر بھیجا کروں گی،

جب تم کہلا بھیجو گے میں نکل کر آؤں گی اور کشتی پر سوار ہو کر چلی جاؤں گی۔ میں نے کہا تمہاری جان و ایمان کے قربان ہوا، دائی کو کیا کرو گی؟ بولی اس کی فکر سہل ہے، ایک پیالے میں زہر ہلاہل پلا دوں گی۔ یہی صلاح مقرر ہوئی۔ جب دن ہوا میں کاروان سرا میں گیا، ایک حجرہ کرائے پر لیا اور جا رہا، اُس جدائی میں فقط ملاقات کی توقع پر جیتا تھا۔ جب دو مہینے میں سوداگر روم و شام و اصفہان کے جمع ہوئے اور اپنا اسباب جہاز پر چڑھانے لگے۔ مجھ سے کہنے لگے کیوں صاحب! تم بھی چلو، یہاں کب تک رہو گے؟ میں نے جواب دیا کہ میرے پاس کیا ہے جو اپنے وطن کو جاؤں؟ یہی ایک لونڈی، ایک کتا، اور ایک صندوق بساط میں رکھتا ہوں اگر تھوڑی سی جگہ مل جائے تو میری خاطر جمع ہو، میں بھی سوار ہوں۔

سوداگروں نے ایک کوٹھڑی میرے تحت میں کر دی، میں نے اُس کا روپیہ دیا۔ دل جمعی کر کے دائی کے گھر گیا اور کہا، اے اماں! تجھ سے رخصت ہونے آیا ہوں، اب وطن کو جاتا ہوں اگر تیری توجہ سے ایک نظر ملکہ کو دیکھوں تو بڑی بات ہے۔ دائی نے قبول کیا، میں نے کہا میں رات کو آؤنگا، صندوق اور بچھونے اُٹھا کر جہاز میں لایا اور ملاح کو دیا اور کہا کل صبح اپنی کنیز کو لے کر آؤں گا، جب رات ہوئی اُسی مکان پر جہاں دائی سے وعدہ کیا تھا، جا کر کھڑا رہا۔ پہر رات گئے محل کا دروازہ کھلا اور ملکہ میلے کچیلے کپڑے پہنے ایک پیٹی جواہر کی لئے باہر نکلی، وہ پیاری میرے حوالے کی اور ساتھ چلی۔ صبح ہوتے کنارے دریا کے جہاز میں جا اُترے، یہ وفادار کتا بھی ساتھ تھا،

بہ خاطر جمع چلے جاتے تھے کہ ایک بندر سے توپوں کی آواز آئی۔ سب حیران ہوئے۔ جہاز کو لنگر کیا اور آپس میں چرچا ہونے لگا، کہ کیا شاہِ بندر کچھ دغا کرے گا، توپ چھوڑنے کا کیا سبب ہے؟

اتفاقاً سب سوداگروں کے پاس خوبصورت لونڈیاں تھیں۔ شاہ بندر کے خوف سے کہ مبادا چھین لے سب نے کنیزوں کو صندوقوں میں بند کیا میں نے بھی ایسا ہی کیا کہ اپنی شہزادی کو صندوق میں بٹھا کر قفل کر دیا۔ اس عرصے میں شاہ بندر جہاز پر آ چڑھا، شاید اُس کے آنے کا یہ سبب تھا کہ پادشاہ کو دائی کے مرنے کی اور ملکہ کے غائب ہونے کی جب خبر معلوم ہوئی، مارے غیرت کے اس کا نام نہ لیا، مگر شاہ بندر کو حکم کیا کہ میں نے سنا ہے عجمی سوداگروں کے پاس لونڈیاں خوب خوب ہیں، سو میں شہزادی کے واسطے لیا چاہتا ہوں تم اُن کو روک کر جتنی لونڈیاں جہازوں میں ہیں حضور میں حاضر کرو۔ اُن میں جو پسند آئیں گی اُن کی قیمت دی جاوے گی۔

میرے قریب ایک اور شخص تھا، اس کے پاس بھی ایک باندی قبول صورت صندوق میں بند تھی شاہ بندر اُسی صندوق پر آ کر بیٹھا اور لونڈیوں کو نکلوانے لگا میں نے خدا کا شکر کیا کہ بھلا پادشاہزادی کا مذکور نہیں۔ غرض جتنی لونڈیاں پائیں شاہ بندر کے آدمیوں نے ناؤ پر چڑھائیں اور خود شاہ بندر جس صندوق پر بیٹھا تھا اس کے مالک سے بھی ہنستے ہنستے پوچھا کہ تیرے پاس بھی تو لونڈی تھی، اُس احمق نے کہا آپ کے قدموں کی سوگند، میں نے ہی یہ کام نہیں کیا، سبھوں نے تمھارے ڈر سے لونڈیاں صندوقوں میں چھپائی ہیں

شاہ بندر نے یہ بات سن کر میرا صندوق بھی کھولا اور ملکہ کو نکال کر سب کے ساتھ لے گیا۔ عجب طرح کی مایوسی ہوئی کہ دیکھئے ملکہ سے کیا سلوک ہوتا ہے۔ اُس کی فکر میں اپنی بھی جان کا ڈر بھول گیا۔ جب صبح ہوئی، سب لونڈیاں واپس آئیں سوداگروں نے اپنی اپنی کنیزیں لے لیں مگر ملکہ اُن میں نہ تھی، میں نے پوچھا کہ میری لونڈی نہیں آئی اس کا کیا سبب ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم واقف نہیں، شاید بادشاہ نے پسند کی ہوگی۔ سب سوداگر مجھے تسلی اور دلاسا دینے لگے، کہ خیر جو ہوا سو ہوا رنجیدہ نہ ہو۔ اُس کی قیمت ہم سب پوری کر کے تجھے دیں گے۔ میرے حواس باختہ ہوگئے، میں نے کہا کہ اب میں عجم نہیں جاؤں گا کشتی والوں سے کہا مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو، کنارے پر اُتار دینا وہ راضی ہوئے، میں جہاز سے اُتر کر کشتی میں بیٹھا، یہ کتا بھی میرے ساتھ چلا آیا۔

جب بندر میں پہنچا جواہر کے صندوقچہ کے سوائے سب سامان شاہ بندر کے نوکروں کو دیا اور ملکہ کی تلاش میں ہر جگہ گھومتا رہا آخر اپنے دل میں خیال کیا کہ غالب ہے کہ شاہ بندر کے گھر میں میری بادشاہزادی ہو تو ہو نہیں تو اور کہیں نہیں۔ شاہ بندر کی حویلی کے گرد و پیش دیکھتا پھرتا تھا، کہ کہیں سے بھی جانے کی راہ پاؤں تو اندر جاؤں۔

ایک بدر رو نظر پڑی کہ موافق آدمی کی آمد و رفت کے ہے، مگر جالی آہنی اُس کے دہانے پر جڑی ہے۔ یہ قصد کیا کہ اس راہ سے چلوں، کپڑے بدن سے اُتارے اور اُس نجس کیچڑ میں اُترا۔ ہزار محنت سے اُس جالی کو توڑا محل میں گیا عورتوں کا سا لباس بنا کر ہر طرف دیکھنے بھالنے لگا ایک

مکان سے میرے کان میں آواز پڑی جیسے کوئی مناجات کر رہا ہے آگے جا کر دیکھا تو ملکہ ہے۔ دوڑ کر پاؤں پر گر پڑا۔ ملکہ نے مجھے گلے لگا لیا۔ میں نے کیفیت پوچھی، بولی جب شاہ بندر سب لونڈیوں کو کنارے پر لے گیا، میں خدا سے یہی دعا مانگتی تھی کہ کہیں میرا راز فاش نہ ہو اور تیری جان پر آفت نہ آئے۔ وہ ایسا ستّار ہے کہ ہرگز کسی نے دریافت نہ کیا کہ یہ ملکہ ہے شاہ بندر ہر ایک کو بہ نظر خریداری دیکھتا تھا۔ جب میری باری آئی، مجھے پسند کر کے اپنے گھر میں چپکے بھیج دیا، اوروں کو بادشاہ کے حضور میں گذرانا۔

میرے باپ نے جب اُن میں مجھے نہ دیکھا سب کو رخصت کیا، یہ سب میرے واسطے کیا تھا۔ اب یوں مشہور کیا ہے کہ بادشاہزادی بہت بیمار ہے اگر میں ظاہر نہ ہوئی تو کسی دن میرے مرنے کی خبر سارے ملک میں اُڑے گی تاکہ بدنامی بادشاہ کی نہ ہو۔ لیکن اب اس عذاب میں اور اس طرح کب تک بسر ہوگی۔ سو میں نے بھی جی میں یہ ٹھیرایا ہے کہ اپنی جان دوں گی لیکن تیرے لئے سے ایک تدبیر دل میں سوجھی ہے۔

میں نے کہا، وہ کون سی تدبیر ہے؟ کہنے لگی اگر تو سعی اور محنت کرے تو ہو سکے میں نے کہا میں فرمانبردار ہوں، اگر حکم کرو تو جلتی آگ میں کود پڑوں جو کچھ فرماؤ سو بجا لاؤں۔ ملکہ نے کہا تو بڑے بت خانے میں جا اور جس جگہ جوتیاں اُتارتے ہیں۔ وہاں ایک سیاہ ٹاٹ پڑا رہتا ہے اس ملک کی رسم ہے کہ جو کوئی مفلس ہوتا ہے، اس جگہ وہ ٹاٹ اوڑھ کر بیٹھتا ہے۔ یہاں کے لوگ جو زیارت کو جاتے ہیں موافق اپنے مقدور کے اُسے دیتے ہیں

جب دو چار دن میں مال جمع ہوتا ہے ایک خلعت بڑے بت کی طرف سے دے کر اُسے رخصت کرتے ہیں وہ تو نگر ہو کر چلا جاتا ہے کوئی نہیں معلوم کرتا کہ یہ کون تھا۔ تو بھی جا کر اُس کے نیچے بیٹھ جا اور ہاتھ منہ اچھی طرح چھپائے اور کسی سے نہ بول۔ بعد تین دن کے ہر چند تجھے خلعت دے کر رخصت کریں تو وہاں سے ہرگز نہ اُٹھ۔ جب نہایت منت کریں تو بول کہ مجھے روپیہ پیسہ درکار نہیں۔ میں مظلوم ہوں۔ فریاد کو آیا ہوں، اگر برہمنوں کی ماتا میری داد دے تو بہتر ہے نہیں تو بڑا بت میرا انصاف کرے۔ جب تک وہ ماں برہمنوں کی خود تیرے نزدیک نہ آئے بہتیرا کوئی منائے تو راضی نہ ہو وہ خود تیرے پاس آئے گی اس کا دامن پکڑ کر کہنا اے مائی اگر مجھ مظلوم مسافر کا انصاف ظالم سے نہ کرے گی، تو میں بڑے بت کی خدمت میں ٹکریں ماروں گا۔

اس کے بعد وہ برہمنوں کی ماں جب تیرا سب احوال پوچھے تو کہنا کہ میں عجم کا رہنے والا ہوں۔ بڑے بت کی زیارت کی خاطر اور تمہاری عدالت سُن کر کالے کوسوں سے یہاں آیا ہوں کئی دن آرام سے رہا۔ میری بی بی بھی میرے ساتھ آئی تھی، وہ جوان ہے اور صورت شکل بھی اچھی ہے۔ معلوم نہیں کہ شاہ بندر نے اُسے کیونکر دیکھا مجھ سے چھین کر اپنے گھر میں ڈال لیا اور ہم مسلمانوں کا یہ قاعدہ ہے کہ جو نامحرم عورت کو اُن کی چھین لے تو واجب ہے جس طرح ہو اپنی بیوی کو لے لیں اور نہیں تو کھانا پینا چھوڑ دیں اب یہاں لاچار ہو کر آیا ہوں، دیکھیئے تم کیا انصاف کرتی ہو۔ جب ملکہ نے مجھے یہ سب سکھا پڑھا دیا میں رخصت ہوا۔ اسی موری کی راہ سے نکلا۔

صبح بت خانے میں گیا اور ٹاٹ اُوڑھ کر بیٹھا۔ تین روز میں اتنا روپیہ اشرفی اور کپڑے جمع ہوئے کہ انبار لگ گیا۔ چوتھے دن لوگ بھجن کرتے اور گاتے بجاتے خلعت لئے میرے پاس آئے اور رخصت کرنے لگے۔ میں راضی نہ ہوا اور بڑے بت کی دہائی دی کہ میں گدائی کرنے نہیں آیا، بلکہ انصاف کے لئے بڑے بت اور برہمنوں کی ماں کے پاس آیا ہوں جب تک اپنی داد نہ پاؤں گا یہاں سے نہ جاؤں گا وہ سُن کر اُس بوڑھیا کے پاس گئے اور میرا بیان کیا۔ بعد اُس کے ایک شخص آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ چل ماتا بلاتی ہے میں اسی طرح کا لاٹاٹ سر سے پاؤں تک اوڑھے ہوئے گیا۔ کیا دیکھتا ہوں ایک جڑاؤ سنگھاسن پر بڑا بت بیٹھا ہے اور ایک کرسی زرّین پر ایک بوڑھیا سیاہ پوش مسند تکیے لگائے اور دو لڑکے دس بارہ برس کے ایک داہنے ایک بائیں شان و شوکت سے بیٹھی ہے۔ مجھے آگے بلایا، میں ادب سے آگے بڑھا اور تخت کے پائے کو بوسہ دیا، پھر اُس کا دامن پکڑ لیا۔ اس نے میرا حال پوچھا، میں نے اُسی طرح جس طور سے ملکہ نے کہا تھا ظاہر کیا۔

سُن کر بولی کہ کیا مسلمان اپنی عورتوں کو اوجھل میں رکھتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں تمہارے بچوں کی خیر ہو، یہ ہماری رسم قدیم ہے۔ بولی میں ابھی حکم کرتی ہوں کہ شاہ بندر تیری جورو کے ساتھ حاضر ہوتا ہے اور اس گدھے کو ایسی سزا دوں کہ بار دیگر ایسی حرکت نہ کرے اور سب کے کان کھڑے ہوں اور ڈریں۔ اپنے لوگوں سے پوچھنے لگی کہ شاہ بندر کی یہ مجال ہوئی کہ بیگانی عورت کو بزور چھین لیتا ہے؟ اُن دونوں لڑکوں کو فرمایا کہ جلدی

اس کو پادشاہ کے پاس لے جاؤ اور کہو کہ حکم بڑے بت کا یہ ہے کہ شاہ بندر آدمیوں پر ظلم و زیادتی کرتا ہے چنانچہ اس غریب کی عورت کو چھین لیا ہے اُس کی تقصیر بڑی ثابت ہوئی۔ جلد اس گمراہ کا مال چھین کر اس ترک کے حوالے کر، نہیں تو آج رات کو تو ستیاناس ہوگا اور ہمارے غضب میں پڑے گا دونوں لڑکے اُٹھ کر منڈل سے باہر آئے اور سوار ہوئے

وہاں کے بڑے چھوٹے جہاں اُن لڑکوں کا پاؤں پڑتا تھا، وہاں کی مٹی تبرّک جان کر اُٹھا لیتے اور آنکھوں سے لگاتے۔ اُسی طرح پادشاہ کے قلعے تک گئے۔ بادشاہ کو خبر ہوئی، ننگے پاؤں استقبال کے لئے نکل آیا اور اُن کو اپنے پاس تخت پر بٹھایا اور پوچھا آج کیوں کر تشریف آوری ہوئی اُن دونوں نے مان کا حکم سنایا اور بڑے بُت کی خفگی سے ڈرایا۔

پادشاہ نے سنتے ہی فرمایا بہت خوب اور اپنے نوکروں کو حکم کیا کہ کہ جائیں اور شاہِ بندر کو مع اس عورت کے جلد حضور میں حاضر کریں تو میں اس کی خطا کے لحاظ سے سزا دوں۔ یہ سُن کر میں اپنے دل میں گھبرایا کہ یہ بات تو اچھی نہ ہوئی۔ اگر شاہ بندر کے ساتھ ملکہ کو بھی لائیں تو پردہ فاش ہوگا اور میرا کیا حال ہوگا؟ میرے منہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں اور بدن کانپنے لگا۔ لڑکوں نے یہ میرا رنگ دیکھ کر معلوم کر لیا کہ یہ حکم اس کی مرضی کے موافق نہ ہوا، خفا و برہم ہو کر اٹھے اور پادشاہ کو جھڑک کر بولے ای مرد! تو دیوانہ ہوا ہے جو فرمانبرداری سے بڑے بت کی نکلا اور ہمارے بچن کو جھوٹ سمجھا، جو دونوں کو بلوا کر تحقیق کیا چاہتا ہے؟ اب خبردار تو غضب

میں بڑے بت کے پڑا، ہم نے تجھے حکم پہنچا دیا، اب تو جان اور بڑا بت۔

پادشاہ کی عجب حالت ہوئی کہ ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا منت کر کے منانے لگا یہ دونوں ہرگز نہ بیٹھے جتنے امیر اُمرا وہاں حاضر تھے ایک منہ ہو کر بدگوئی شاہ بندر کی کرنے لگے وہ ایسا ہی بدکار اور پاپی ہے، ایسی ایسی حرکتیں کرتا ہے کہ جو حضور میں عرض کرنے کے لائق نہیں جو برہمنوں کی ماں نے کہلا بھیجا ہے درست ہے، اس واسطے کہ حکم بڑے بت کا ہے، یہ جھوٹ کیوں کر ہوگا پادشاہ نے جب سب کی زبانی ایک ہی بات سُنی، بہت نادم ہوا۔ جلد ایک خلعت پاکیزہ مجھے دی، اور حکمنامہ اپنے ہاتھ سے لکھ اُس پر دستی مہر کر کے میرے حوالے کیا اور ایک رقعہ برہمنوں کی ماں کو لکھا اور جواہر اشرفیوں کے خوان لڑکوں کے روبرو پیش کش رکھ کر رخصت کیا میں خوشی خوشی بت خانے میں آیا اور اُس بڑھیا کے پاس گیا۔

پادشاہ کا خط جو آیا تھا۔ اُس کا یہ مضمون تھا۔ اس مرد مسلمان کو خدمت شاہ بندر کی مقرر ہوئی اور خلعت دی گئی۔ اب یہ اُس کے قتل کرنے کا مختار ہے اور سارا مال واسباب اس کا اس ترک کا ہے۔ جو چاہے سو کرے امیدوار ہوں کہ میری تقصیر معاف ہو۔ برہمنوں کی ماں نے خوش ہو کر فرمایا بت خانے کی نوبت بجے اور پانچ سو سپاہی مسلح میرے ہمراہ کر دیئے اور حکم کیا کہ بندر میں جا کر شاہ بندر کو اس مسلمان کے حوالے کریں جس طرح کے عذاب سے اس کا جی چاہے اُسے مارے اور خبردار سوائے اس عزیز کے کوئی محل میں داخل نہ ہو اور اس کے مال وخزانے کو بہ امانت اس

کی سپرد کریں۔ جب یہ بہ خوشی رخصت کرے رسید اور صافی نامہ اُس سے لے کر آئیں،

جب میں بندر میں پہنچا ایک آدمی نے بڑھ کر شاہ بندر کو خبر کی، وہ حیران سا بیٹھا تھا کہ میں جا پہنچا، غصہ تو دل میں بھر ہی رہا تھا، دیکھتے ہی شاہ بندر کو تلوار کھینچ کر ایسی گردن میں لگائی کہ اس کا سر الگ اُڑ گیا اور وہاں کے گماشتے خزانچی، داروغوں کو پکڑوا کر سب دفتر ضبط کئے اور میں محل میں داخل ہوا۔ ملکہ سے ملاقات کی، اور خدا کا شکر کیا۔ پھر باہر مسند پر بیٹھ کر اہل کاروں کو خلعتیں دیں اور اپنی اپنی خدمتوں پر سب کو بحال کیا۔ وہ لوگ جو منڈپ سے میرے ساتھ متعین تھے ہر ایک کو انعام و بخشش دے کر اور ان کے جمعدار رسالہ دار کو جوڑے پہنا کر رخصت کیا اور جواہر بیش قیمت اور تھان در تحفے ہر ایک ملک کے اور نقد بہت سا بادشاہ کی نذر کی خاطر اور موافق ہر ایک امراء کے درجہ بہ درجہ اور تقسیم کرنے کی خاطر اپنے ساتھ لے کر ایک ہفتے کے بعد بت کدے میں آیا اور اس ماں کے آگے بہ طریق بھینٹ کے رکھا۔

اس نے اور ایک خلعت سرفراز کی اور خطاب دیا۔ پھر بادشاہ کے دربار میں جا کر پیش کش گذرانی اور جو جو ظلم و فساد شاہ بندر نے ایجاد کیا تھا اس کے موقوف کرنے کی خاطر عرض کی۔ اس سبب سے بادشاہ، امیر اور سوداگر سب مجھ سے راضی ہوئے، بہت نوازش مجھ پر فرمائی اور خلعت، گھوڑا دے کر منصب جاگیر عنایت کی۔ غرض میں بہت مرفہ الحال ہو گیا اور نہایت آرام سے اس ملک میں ملکہ سے عقد باندھ کر رہنے لگا، میرے اضاف کے

باعث رعیت سب خوش ہوگئی۔ مہینے میں ایک بار بت خانے میں اور پادشاہ کے حضور آتا جاتا، پادشاہ روز بروز زیادہ سرفرازی فرماتا۔

نہایت بے فکری سے گذرنے لگی، مگر خدا ہی جانتا ہے اکثر اندیشہ ان دونوں بھائیوں کا دل میں آتا کہ وہ کہاں ہوں گے اور کس طرح ہوں گے۔ بعد مدت دو برس کے ایک قافلہ سوداگروں کا ملک زیرباد سے اُس بندر میں آیا۔ وہاں کا یہ قاعدہ تھا کہ جو کاروان آتا اُس کا سردار ہر ایک ملک کا تحفہ میرے پاس لاتا اور نذر گذرانتا، دوسرے روز میں اُس کے مکان پر جاتا اس کے مال سے محصول لیتا اور پروانگی کوچ کی دیتا۔ اسی طرح وہ سوداگر بھی میری ملاقات کو آئے اور بے بہا پیشکش لائے، دوسرے دن میں اُن کے خیمے میں گیا۔ دیکھا تو دو آدمی پھٹے پُرانے کپڑے پہنے گٹھڑی بقچے سر پر اُٹھا کر میرے روبرو لاتے ہیں۔ بعد ملاحظہ کرنے کے پھر اٹھا لے جاتے ہیں اور بڑی محنت کر رہے ہیں۔

میں نے بہت غور کے بعد جو دیکھا تو یہی میرے دونوں بھائی ہیں اُس وقت غیرت اور حمیت نے نہ چاہا کہ ان کو اس طرح خدمت گزاری میں دیکھوں جب اپنے گھر کو چلا آدمیوں کو کہا کہ ان دونوں کو لیتے آؤ۔ اُن کو لائے لباس اور پوشاک بنوادی اپنے پاس رکھا، ان بدذاتوں نے پھر میرے مارنے کا منصوبہ کیا۔ ایک روز آدھی رات میں سب کو غافل پاکر میرے سرہانے آ پہنچے۔ میں نے اپنی جان کے ڈر سے چوکیداروں کو دروازے پر رکھا تھا اور یہ کتا وفادار میری چارپائی تلے سوتا تھا۔ جوں ہی انھوں نے تلواریں میان سے کھینچیں پہلے کتے نے بھونک کر اُن پر حملہ کیا اُس کی آواز سے سب جاگ پڑے۔ میں بھی چونکا۔

آدمیوں نے اُن کو پکڑا، معلوم ہوا کہ آپ ہی ہیں۔ سب لعنت کرنے لگے کہ باوجود اس خاطرداری کے یہ کیا حرکت اُن سے ظہور میں آئی۔

بادشاہ سلامت! تب تو میں بھی ڈرا، مثل مشہور ہے، ایک خطا، دو خطا تیسری خطا مادر بخطا۔ دل میں یہی صلاح ٹھیری کہ اب ان کو مقید کردوں، لیکن قید خانے میں رکھوں تو ان کا کون خبر گیراں رہے گا؟ بھوک پیاس سے مرجائینگے یا کوئی اور سوانگ لائیں گے۔ اس واسطے قفس میں رکھا ہے کہ ہمیشہ میری نظروں کے سامنے رہیں تو میری خاطر جمع ہو۔ اور اس کتے کی عزت اس کی نمک حلالی اور وفاداری کے سبب ہے۔ سبحان اللہ! آدمی بے وفا بدتر حیوان باوفا سے ہے۔ میری یہ سرگزشت تھی جو حضور میں عرض کی، اب خواہ قتل فرمائیے۔ یا جاں بخشی کیجئے۔

میں نے سُن کر اُس باایمان پر آفریں کی اور کہا تیری مروت میں کچھ خلل نہیں اور ان کی بے حیائی میں ہرگز قصور نہیں۔ اس کے بعد میں نے اُن بارہ لعل کی حقیقت پوچھی، خواجہ بولا کہ اسی بندر میں جہاں میں حاکم تھا، بعد تین چار سال کے ایک روز محل کے بالاخانے پر سیر اور تماشے کے لئے بیٹھا تھا، ناگاہ ایک طرف جنگل میں کہ وہاں شاہ راہ نہ تھی، دو آدمیوں کی تصویر سی نظر آئی دوربین لے کر دیکھا تو عجب ہیئت کے انسان دکھائی دئے۔ چوبداروں کو اُن کے بلانے کے لئے دوڑایا۔

جب وہ آئے معلوم ہوا کہ ایک عورت اور ایک مرد ہے۔ عورت کو محل سرا میں ملکہ کے پاس بھیج دیا اور مرد کو روبرو بلایا۔ دیکھا تو ایک جوان بیس

بائیس برس کا ڈاڑھی موچھ آغاز ہے، لیکن دھوپ کی گرمی سے اس کے چہرے کا رنگ کالا ہو رہا ہے اور سر کے بال اور ہاتھوں کے ناخن بڑھ کر بن مانس کی صورت بن رہا ہے اور ایک لڑکا تین چار برس کا کاندھے پر، اور دو آستینیں کرتے کی بھری ہوئیں ہیکل کی طرح گلے میں ڈالے، عجب صورت اور وضع اس کی دیکھی، میں نے حیران ہو کر پوچھا اے عزیز! تو کون ہے اور کس ملک کا باشندہ ہے اور یہ کیا تیری حالت ہے؟ وہ بے اختیار رونے لگا اور وہ ہمیانی کھول کر میرے آگے رکھی اور بولا بھوک بھوک! خدا کے واسطے کچھ کھانے کو دو۔ مدت سے گھاس اور بناس پتیاں کھاتا چلا آتا ہوں، ایک ذرا قوت مجھ میں باقی نہیں رہی۔ وہیں نان و کباب میں نے منگوا دیا وہ کھانے لگا۔

اتنے میں خواجہ سرا محل سے کئی اور تھیلیاں اس کی بیوی کے پاس سے لے آیا میں نے کھلوا کر دیکھے ایک ایک دانہ ان کا خراج سلطنت کا کہا چاہیے۔ ایک سے ایک انمول ڈول میں اور تول میں آبداری میں، اور اُن کی چمک پڑنے سے سارا مکان روشن ہو گیا۔ جب اُس نے ٹکڑا کھایا، پانی پیا، اور دم لیا، حواس بجا ہوئے۔ میں نے پوچھا یہ پتھر تجھے کہاں ہاتھ لگے؟ جواب دیا کہ میرا وطن آذربائیجان ہے، لڑکپن میں گھر بار، ماں باپ سے جدا ہو کر بہت سختیاں کھینچیں اور ایک مدت تک میں زندہ درگور تھا اور کئی بار ملک الموت کے پنجے سے بچا ہوں۔ میں نے کہا اے مرد! مفصل اپنی کیفیت بیان کر۔ تب وہ اپنا احوال بیان کرنے لگا کہ میرا باپ سوداگر تھا، ہمیشہ سفر ہندوستان و روم و چین و فرنگ کا کرتا۔ جب میں دس برس کا ہوا باپ ہندوستان کو چلا، مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہا۔ ہر چند والدہ نے کہا

کہ ابھی یہ لڑکا ہے، لائقِ سفر نہیں ہوا، والد نے نہ مانا اور کہا، کہ میں بوڑھا ہوا، اگر یہ میرے روبرو تربیت نہ پائے گا تو یہ حسرت گور میں لے جاؤں گا۔ مرد بچّہ ہے اب نہ سیکھے گا تو کب سیکھے گا۔

یہ کہہ کر مجھے ساتھ لیا اور روانہ ہوا، خیر و عافیت سے راہ کٹی، جب ہندوستان میں پہنچے کچھ جنس وہاں بیچی، اور وہاں کے سوغات لے کر زیر باد کے ملک کو گئے۔ یہ بھی سفر بہ خوبی ہوا۔ جہاز پر سوار ہوئے کہ جلدی وطن پہنچیں۔ ایک مہینے کے بعد ایک روز آندھی اور طوفان آیا اور مینہ موسلا دھار برسنے لگا۔ سارا زمین و آسمان دھواں دھار ہو گیا۔ دس دن تک ہوا اور موج جدھر چاہتی تھی لئے جاتی تھی گیارھویں روز ایک پہاڑ سے ٹکر کھا کے جہاز پُرزے پُرزے ہو گیا، نہ معلوم ہوا کہ باپ اور نوکر اسباب کہاں گیا۔

میں نے خود کو ایک تختے پر دیکھا، تین رات دن وہ تختہ بے اختیار چلا گیا۔ چوتھے روز کنارے پر جا لگا، مجھ میں فقط جان باقی تھی۔ اس پر اُتر گھٹنوں کے بل چل کر زمین پر پہنچا، دور سے کھیت نظر آئے اور بہت سے آدمی وہاں جمع تھے لیکن سب سیاہ فام، مجھ سے کچھ بولے۔ لیکن میں نے اُن کی زبان مطلق نہ سمجھی وہ کھیت چنوں کا تھا، وہ آدمی آگ کا آلاؤ جلا بوٹوں کے ہولے کرتے تھے اور کھاتے تھے۔ شاید اُن کی خوراک یہی تھی، مجھے بھی اشارہ کرنے لگے کہ تو بھی کھا۔ میں بھی پھانکنے لگا، تھوڑا سا پانی پی کر ایک گوشے میں سو رہا۔

بعد دیر کے جب جاگا اُن میں سے ایک شخص میرے نزدیک آیا اور راہ دکھانے لگا۔ میں نے تھوڑے سے چنے اکھیڑ لئے اور اس راہ پر چلا۔ بعد

چار دن کے ایک قلعہ نظر آیا۔ بہت بلند تمام پتھر کا اور ہر ایک پہلو اُس کا دو دو کوس کا، اور دروازہ ایک سنگ کا تراشا ہوا بڑا سا قفل جڑا تھا، لیکن وہاں کا نشان نظر نہ پڑا۔ وہاں سے آگے چلا ایک ٹیلا دیکھا کہ اس کی خاک سرخ رنگ سے سیاہ تھی، جب اس ٹیلے کے پار ہوا تو ایک شہر نظر پڑا بہت بڑا، گرد شہر پناہ اور جا بجا برج دروازے پر گیا اور بسم اللہ کہہ کر قدم اندر رکھا۔ ایک شخص کو دیکھا پوشاک اہل فرنگ کی پہنے ہوئے کرسی پر بیٹھا ہے۔ جوں اُس نے مجھے اجنبی مسافر دیکھا اور میرے منہ سے بسم اللہ سُنی پکارا کہ آگے آؤ۔ میں نے جا کر سلام کیا، نہایت مہربانی سے سلام کا جواب دیا۔ فوراً میز پر پاؤ روٹی اور مسکہ، مرغ کا کباب رکھ کر کہا پیٹ بھر کر کھاؤ۔ میں نے تھوڑا سا کھایا اور پیا، بے خبر ہو کر سویا جب رات ہو گئی تب آنکھ کھلی ہاتھ منہ دھویا، پھر مجھے کھانا کھلایا اور کہا کہ ای بیٹا اپنا احوال کہہ، جو کچھ مجھ پر گذرا تھا سب کہہ سنایا، بولا کہ یہاں تو کیوں آیا؟ میں نے دق ہو کر کہا شاید تو دیوانہ ہے، میں نے بعد مدت کے بستی کی صورت دیکھی ہے۔ خدا نے یہاں تک پہنچایا، اور تو کہتا ہے کیوں آیا۔ کہنے لگا اب تو آرام کر، کل جو کہنا ہوگا کہوں گا۔

جب صبح ہوئی بولا کوٹھڑی میں پھاوڑا، چھلنی اور توبرا ہے باہر لے آ میں نے دل میں کہا کہ خدا جانے روٹی کھلا کر مجھ سے کیا محنت کرائے گا۔ لاچار وہ سب نکال کر اس کے روبرو لایا۔ تب اس نے فرمایا کہ اُس ٹیلے پر جا اور ایک گز کے موافق گڑھا کھود وہاں سے جو کچھ نکلے اس چھلنی میں چھان جو چھن نہ سکے اُس توبرے میں بھر کر میرے پاس لا۔ میں وہ سب چیزیں لیکر

وہاں گیا اور اُتنا ہی کھود کر چھان کر توبرے میں ڈالا، دیکھا تو سب جواہر رنگ برنگ کے تھے، اُن کی جوت سے آنکھیں چوندھیا گئیں۔ اُسی طرح تھیلی کو بھر کر اس عزیز کے پاس لے گیا، دیکھ کر بولا کہ جو اس میں بھرا ہے تو لے اور یہاں سے جا کہ تیرا رہنا اس شہر میں خوب نہیں۔ میں نے جواب دیا کہ صاحب نے بڑی مہربانی کی کہ اتنا کچھ کنکر پتھر دیا، لیکن میرے کس کام کا؟ جب بھوکا ہوں گا تو نہ اُن کو چبا سکوں گا، نہ پیٹ بھرے گا، پس اگر اور بھی دو تو میرے کس کام آئیں گے؟ وہ مرد ہنسا اور کہنے لگا کہ مجھ کو تجھ پر افسوس آتا ہے کہ تو بھی ہماری مانند ملک عجم کا متوطن ہے، اس لئے میں منع کرتا ہوں، اگر تیرا یہی مقصد ہے کہ شہر جاؤں، تو میری انگوٹھی لیتا جاتا۔ چوک میں جائے تو ایک شخص سفید ریش وہاں بیٹھا ہو گا۔ میرا بڑا بھائی ہے وہ تیری مدد کرے گا اور جو کچھ وہ کہے اُسی موافق کام کر، نہیں تو مفت مارا جائے گا اور میرا حکم یہیں تک ہے، شہر میں میرا دخل نہیں سلام کر کے رخصت ہوا۔ شہر میں گیا، کوچہ و بازار صاف اور زن و مرد بے حجاب آپس میں خرید و فروخت کرتے، سب خوش لباس۔ میں سیر کرتا اور تماشا دیکھتا جب چوک میں پہنچا، ایسا اژدحام تھا کہ تھالی پھینکیئے تو آدمیوں کے سروں پر چلی جائے جب کچھ بھیڑ چھٹی میں بھی دھکّم دھکا کرتا ہوا آگے گیا۔ بارے اس عزیز کو دیکھا کہ ایک چوکی پر بیٹھا ہے۔ میں نے جا کر سلام کیا اور وہ مُہر دی، نظر غضب سے میری طرف دیکھا اور بولا، کیوں تو یہاں آیا اور خود کو بلا میں ڈالا؟ کیا میرے بیوقوف بھائی نے تجھے منع نہ کیا تھا۔

میں نے کہا، انھوں نے تو منع کیا تھا لیکن میں نے نہ مانا اور تمام کیفیت

ابتدا سے انتہا تک کہہ سنائی۔ وہ شخص اٹھا اور مجھے ساتھ لے کر اپنے گھر کی طرف چلا۔ اُس کا مکان پادشاہوں کا سا دیکھنے میں آیا، جب خلوت میں جا کر بیٹھا، بہ ملائمت بولا۔ کہ اے فرزند! یہ کیا تو نے حماقت کی کہ اپنے پاؤں سے گور میں آیا کوئی بھی اس کم بخت طلسماتی شہر میں آتا ہے؟ میں نے کہا میں اپنا احوال پیشتر کہہ چکا ہوں، اب تو قسمت لے آئی، لیکن شفقت فرما کر یہاں کے راہ و رسم سے مطلع کیجیے تو معلوم کروں کہ اس واسطے تم نے اور تمہارے بھائی نے مجھے منع کیا۔ وہ جوانمرد بولا کہ پادشاہ اور تمام رئیس اس شہر کے رانڈے ہوئے ہیں، عجیب طرح کا اُن کا رویا اور مذہب ہے۔ یہاں بت خانے میں ایک بت ہے کہ شیطان اس کے پیٹ میں سے تمام اور دین ہر کسی کا بیان کرتا ہے، جو کوئی مسافر آتا ہے پادشاہ کو خبر ہوتی ہے، اُسے منڈپ میں لے جاتا ہے اور بت کو سجدہ کراتا ہے اگر ڈنڈوت کی تو بہتر نہیں تو بیچارے کو دریا میں ڈبوا دیتا ہے۔ مجھ کو تیری جوانی پر رحم آتا ہے، مگر تیری خاطر ایک تدبیر کرتا ہوں۔ کہ بھلا کوئی دن تو تو جیتا رہے اور اس عذاب سے بچے۔

میں نے کہا وہ کیا صورت تجویز کی ہے؟ کہنے لگا تجھے کتخدا کروں اور وزیر کی لڑکی تیری خاطر بیاہ لاؤں۔ میں نے جواب دیا کہ وزیر اپنی بیٹی مجھ سے مفلس کو کب دے گا؟ اُن کا دین قبول کروں؟ سو یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا، کہنے لگا اس شہر کی یہ رسم ہے کہ جو کوئی اس بت کو سجدہ کرے، اگر فقیر ہو اور پادشاہ کی بیٹی مانگے تو اُس کی خوشی کی خاطر حوالے کریں اور اُسے رنجیدہ نہ کریں اور میرا بھی پادشاہ کے نزدیک اعتبار ہے اور عزیز رکھتا ہے، لہٰذا سب ارکان اور اکابر

یہاں کے میری قدر کرتے ہیں اور ہفتے میں دو دن بتکدے میں زیارت کو جاتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں، چنانچہ کل سب جمع ہوں گے میں تجھے لیجاؤنگا جب صبح ہوئی مجھے ساتھ لے کر بت خانے کی طرف چلا، وہاں جاکر جو دیکھا تو پادشاہ اور امیر بت کے سامنے، پنڈتوں کے پاس سر ننگے کئے ادب سے دوزانو بیٹھے تھے اور ناکتخدا لڑکیاں اور لڑکے خوب صورت جیسے حور وغلمان چاروں طرف صف باندھے کھڑے تھے، تب وہ عزیز مجھ سے مخاطب ہوا، کہ اب میں جو کہوں سو کر، میں نے قبول کیا کہ جو فرماؤ سو بجالاؤں۔ بولا کہ پہلے بادشاہ کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دے، بعد اُس کے وزیر کا دامن پکڑ، میں نے ویسا ہی کیا۔ پادشاہ نے پوچھا، کہ یہ کون ہے اور کیا کہتا ہے؟ اُس مرد نے کہا یہ جوان میرے رشتے میں ہے، بادشاہ کی قدم بوسی کی آرزو میں دور سے آیا ہے۔ اس توقع پر کہ وزیر اُس کو اپنی غلامی میں سربلند کرے، اگر حکم بت کلاں کا اور مرضی حضور کی ہو۔ پادشاہ نے پوچھا کہ ہمارا مذہب اور دین وآئین قبول کرے گا، تو مبارک ہے۔

جب شام ہوئی پادشاہ اور وزیر سوار ہوکر وزیر کے محل میں داخل ہوئے اور اس کی بیٹی کو اپنے بیت ورسم کرکے میرے حوالے کیا، ایک مکان میں ہم دونوں کو رکھا، صبح کو پادشاہ کے مجرے میں حاضر ہوا پادشاہ نے دامادی کی خلعت عنایت کی، دو سال تک بہت عیش وآرام سے گذری۔ اتفاقاً وزیرزادی مرگئی۔ لوگ مجھے پکڑ کر بت خانے میں لے گئے دیکھا تو بادشاہ، اُمراء اور رعیت وہاں جمع ہیں اور وزیرزادی کا مال سب دھرا ہے، جو چیز جس کا جی چاہتا ہے

لیتا ہے اور اُس کی قیمت کے روپے دھر دیتا ہے۔

اُن روپیوں کا جواہر خریدا گیا اور ایک صندوقچے میں بند کیا اور ایک دوسرے صندوق میں کھانے کی چیزیں بھریں اور لاش کو ایک صندوق میں رکھ کر اونٹ پر لدوایا اور مجھے سوار کیا اور صندوقچہ جواہر کا میری بغل میں دیا اسی دروازے سے کہ میں پہلے روز آیا تھا شہر کے باہر نکلا۔

آخر اُسی قلعے کے پاس جس کا میں نے پہلے روز دروزاہ بند دیکھا تھا لے گئے اور بہت سے آدمیوں نے مل کر قفل کھولا اور تابوت کو اندر لے چلے ایک پنڈت میرے نزدیک آیا اور سمجھانے لگا کہ آدمی ایک دن جنم پاتا ہے اور ایک روز ناس ہوتا ہے، دنیا کا یہی آواگون ہے اب یہ تیری بیوی، دھن اور چالیس دن کا اسباب بھوجن کا موجود ہے، اس کو لے اور یہاں رہ جب تک بڑا بت تجھ پر مہربان ہو، میں نے غصّے میں چاہا کہ اس برہمن کو دھول چھکڑ، دوں۔ وہی مردِ عجمی اپنی زبان میں مانع ہوا، کہ خبردار! اگر کچھ بھی بولا تو اسی وقت تجھے جلا دیں گے۔

آخر سب مجھے تنِ تنہا چھوڑ کر اس حصار سے باہر نکلے اور دروازہ پھر مقفّل کر دیا۔ جدھر دیکھتا ہوں مردوں کی ہڈیاں اور صندوق جواہر کے ڈھیر لگے ہیں۔ تب کئی صندوق لے کر نیچے' اوپر رکھے کہ دن کو دھوپ سے اور رات کو اوس سے بچاؤ ہو۔ ایک طرف جھرنا سا دیکھا کئی دن اُس پانی اور کھانے سے زندگی ہوئی۔

آخر خوراک ختم ہوئی، میں گھبرایا اور خدا کی جناب میں فریاد کی۔ وہ ایسا

کریم ہے کہ دروازہ کھلا اور ایک مردے کو لائے۔ اُس کے ساتھ ایک پیر مرد آیا۔ جب اُسے بھی چھوڑ کر گئے، یہ دل میں آیا کہ اُس بوڑھے کو مار کر اس کے کھانے کا صندوق سب کا سب لے لے۔ ایک صندوق کا پایہ ہاتھ میں لے کر اُس کے پاس گیا، وہ فی الفور جاں بحق تسلیم ہوا۔ اُس کا آذوقہ لے کر میں کھانے لگا مدّت تک یہی میرا کام تھا کہ جو زندہ مُردے کے ساتھ آتا، اُسے میں مار ڈالتا اور کھانے کا اسباب لے کر بہ فراغت کھاتا۔

بعد مدّت کے ایک مرتبہ ایک لڑکی تابوت کے ہمراہ آئی۔ نہایت قبول صورت میرے دل نے نہ چاہا کہ اُسے بھی ماروں اُس نے مجھے دیکھا اور مارے ڈر کے بیہوش ہوگئی، میں اُس کا بھی آذوقہ اُٹھا کر اپنے پاس لے آیا لیکن اکیلا نہ کھاتا جب اُس عورت نے دیکھا کہ مجھے یہ شخص نہیں ستاتا، دن بدن اس کی وحشت کم ہوئی، ایک روز اُس کا احوال پوچھا کہ تو کون ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ میں بادشاہ کے وکیل کی بیٹی ہوں، اپنے چچا کے بیٹے سے منسوب ہوئی تھی شبِ عروسی کے دن اُسے قولنج ہوا ایک آن کی آن میں مرگیا مجھے اس کے تابوت کے ساتھ لاکر یہاں چھوڑ گئے ہیں۔ تب اُس نے میرا احوال پوچھا میں نے بھی تمام و کمال بیان کیا اور کہا، خدا نے تجھے میری خاطر یہاں بھیجا ہے۔ وہ مسکرا کر چپکی ہو رہی۔

اُسی طرح کئی دن میں آپس میں محبّت زیادہ ہوگئی۔ میں نے اُسے ارکان مسلمانی کے سکھا کر کلمہ پڑھایا۔ شادی کرلی۔ ایک بیٹا پیدا ہوا۔ قریب تین برس کے اسی صورت سے گذری۔ ایک شخص کو خواب میں دیکھا کہ کہتا ہے

پرنالے کی راہ سے نکل ۔ غرض میں اُس موری کے منہ پر مینج کر پتھروں سے ایسا ٹھونکتا کہ تھک جاتا ایک برس کی محنت میں وہ سوراخ اتنا بڑا ہوا کہ آدمی نکل سکے۔

اس کے بعد اچھے اچھے جواہر ساتھ لیکر اُسی راہ سے ہم تینوں باہر نکلے۔ خدا کا شکر کیا اور بیٹے کو کاندھے پر بٹھالیا، ایک مہینا ہوا کہ سر راہ چھوڑ کر مارے ڈر کے جنگل پہاڑوں کی راہ سے چلا آتا ہوں۔ جب بھوک ہوتی ہے گھاس پات کھاتا ہوں بات کرنے کی قوت مجھ میں نہیں۔

پادشاہ سلامت! میں نے اس کی حالت پر ترس کھایا اور اچھا لباس پہنوایا اور اپنا نائب بنایا، اور میرے گھر میں ملکہ سے کئی لڑکے پیدا ہوئے، لیکن خورد سالی میں مرگئے۔ غم میں ملکہ نے بھی وفات پائی، دل اُداس ہوگیا، ارادہ عجم کا کیا۔ بادشاہ سے عرض کرکے شاہ بندری کی خدمت اس جوان کو دلوادی، اس عرصے میں پادشاہ بھی مرگیا۔ میں اُس وفادار کتے کو اور سب مال خزانہ، جواہر ساتھ لے کر نیشاپور میں آرہا۔ اس واسطے کہ کوئی میرے بھائیوں کے احوال سے واقف نہ ہو، میں خواجۂ سگ پرست مشہور ہوا۔

اتفاقاً یہ سوداگر بچہ، وہاں گیا اُس کے وسیلے سے جہاں پناہ کا قدم بوس کیا۔ میں نے پوچھا کیا یہ تمہارا فرزند نہیں؟ خواجہ نے جواب دیا، قبلۂ عالم! یہ میرا بیٹا نہیں آپ ہی کی رعیت ہے، لیکن اب میرا مالک اور وارث جو کچھ کہیئے سو یہی ہے۔ یہ سن کر سوداگر بچہ سے میں نے پوچھا کہ تو کس تاجر کا لڑکا ہے اور تیرے ماں باپ کہاں رہتے ہیں اُس لڑکے نے زمین چومی اور جان کی اماں

مانگی اور بولا، کہ یہ لونڈی سرکار کے وزیر کی بیٹی ہے، میرا باپ حضور کے عتاب میں بہ سبب اسی خواجہ کے بعلوں کے پڑا اور حکم یوں ہوا کہ اگر ایک سال تک اُس کی بات صحیح ثابت نہ ہوگی تو جان سے مارا جائے گا۔ میں نے سُن کر یہ بھیس بنایا اور اپنے کو نیشاپور پہنچایا آپ نے تمام احوال سُن لیا، امیدوار ہوں کہ میرے بوڑھے باپ کی رہائی ہو۔

یہ بیان وزیر زادی سے سُن کر خواجہ نے ایک آہ کی اور بے اختیار گر پڑا میں نے کہا کہ وزیر زادی کو محل میں لے جاؤ اور وزیر کو جلدی میرے پاس لاؤ جس وقت وزیر آیا، لب فرش تک اُس کا استقبال فرمایا اور اپنا بزرگ جان کر گلے لگایا اور نئے سرے سے وزارت کا قلمدان عنایت کیا اور خواجہ کو بھی جاگیر ومنصب دیا اور ساعت سعید دیکھ کر وزیر زادی سے نکاح پڑھوایا۔

کئی سال میں دو بیٹے اور ایک بیٹی اس کے گھر میں پیدا ہوئی، چنانچہ بڑا بیٹا ملک التجار ہے اور چھوٹا ہماری سرکار کا مختار ہے۔ اے درویشو! میں نے اس لئے یہ نقل تمہارے سامنے بیان کی، کہ کل رات دو فقیروں کی سرگذشت میں نے سُنی تھی، اب تم دونوں بھی جو باقی ہو بے وسواس اپنی اپنی سیر کا احوال کہو اور چندے میرے پاس رہو۔ جب فقیروں نے بادشاہ کی طرف سے بہت خاطرداری دیکھی کہنے لگے، خیر جب تم نے گداؤں سے الفت کی، تو ہم دونوں بھی اپنا ماجرا بیان کرتے ہیں۔ سنیئے۔

تیسرے درویش کی سیر

تیسرا درویش اپنی سیر کا بیان اس طرح سے بیان کرنے لگا۔ ؎

احوال اس فقیر کا اے دوستاں سُنو — یعنی جو مجھ پہ بیتی ہے وہ داستاں سُنو
جو کچھ کہ شاہِ عشق نے مجھ سے کیا سلوک — تفصیل وار کرتا ہوں اُس کا بیان سُنو

یہ کمترین پادشاہ زادہ عجم کا ہے۔ میں جوانی کے عالم میں مصاحبوں کے ساتھ کھیلا کرتا، یا سوار ہو کر سیر و شکار میں مشغول رہتا۔ ایک دن کا یہ ماجرا ہے کہ سب یار آشنا ؤں کو لے کر میدان کی طرف نکلا۔ ناگاہ دیکھا کہ ایک کالا ہرن اُس پر زربفت کی جھول اور گھونگرو سونے کے زردوزی پٹے میں ٹکے ہوئے گلے میں پڑے اُس میدان میں چرتا پھرتا ہے ہمارے گھوڑوں کے سم کی آہٹ پا کر چوکنا ہوا۔

مجھے اس کے دیکھنے سے یہ شوق ہوا کہ رفیقوں سے کہا کہ تم یہیں کھڑے رہو، میں اُسے جیتا پکڑوں گا، خبردار تم قدم آگے نہ بڑھانا اور میرے پیچھے نہ آنا گھوڑا رانوں تلے ایسا تھا کہ بارہا ہرنوں اوپر دوڑا کر ہاتھوں سے پکڑ لیا تھا وہ دیکھ کر چھلانگیں بھرنے لگا اور ہوا ہوا۔ گھوڑا بھی ہوا سے باتیں کرتا تھا لیکن اُس کی گرد کو نہ پہنچا۔ شام ہونے لگی اور میں کیا جانوں کہاں سے کہاں نکل آیا لاچار ہو کر تیر نکال، اللہ اکبر کہہ کر مارا۔ بارے پہلا ہی تیر اُس کے پاؤں میں

ترازو ہوا، تب لنگڑاتا ہوا پہاڑ کے دامن کی سمت چلا۔ فقیر بھی گھوڑے پر سے اُتر پڑا، اور پاپیادہ اس کے پیچھے لگا کئی اُتار چڑھاؤ کے بعد ایک گنبد نظر آیا۔ جب پہنچا ایک باغچہ اور ایک چشمہ دیکھا۔ وہ ہرن تو نظروں سے چھلاوا ہو گیا میں نہایت تھکا تھا، ہاتھ، پاؤں دھونے لگا۔

آواز رونے کی اُس بُرج کے اندر سے میرے کان میں آئی، کہ اے بچّے! جس نے تجھے تیر مارا میری آہ کا تیر اُس کے کلیجے میں لگے، وہ اپنی جوانی سے پھل نہ پائے، اور خدا اُس کو میرا سا دکھیا بنائے! میں یہ سُن کر وہاں گیا، دیکھا تو ایک سفید ریش، اچھّی پوشاک پہنے ایک مسند پر بیٹھا ہے، اور ہرن آگے لیٹا ہے۔ میں نے سلام کیا اور ہاتھ جوڑ کر کہا کہ حضرت سلامت، یہ تقصیر دانستہ اس غلام سے ہوئی، خدا کے واسطے معاف کرو۔ بولا کہ بے زبان کو تو نے ستایا ہے، اگر اَن جان یہ حرکت تجھ سے ہوئی، اللہ معاف کرے گا۔ میں تیر نکالنے میں شریک ہوا، بڑی دِقّت سے تیر کو نکالا اور زخم میں مرہم بھر کر چھوڑ دیا اس پیر مرد نے کچھ حاضری جو اُس وقت موجود تھی کھلائی۔ میں نے کھا پی کر ایک چارپائی پر لنبی تانی۔

اُس نیند میں نوحہ و زاری کی آواز کان میں آئی، آنکھیں مل کر جو دیکھتا ہوں تو اُس مکان میں مَیں اکیلا پلنگ پر لیٹا ہوں اور وہ دالان خالی پڑا ہے چاروں طرف بھیانک ہو کر دیکھنے لگا، ایک کونے میں پردہ پڑا نظر آیا، دیکھا تو ایک تخت بچھا اور اُس پر ایک پریزاد عورت برس چودہ ایک کی مہتاب کی سی صورت اور زلفیں دونوں طرف چھوٹی ہوئیں ہنستا چہرہ، فرنگی لباس

پہنے ہوئے عجب ادا سے دیکھتی ہے اور بیٹھی ہے اور وہ بزرگ اپنا سر اُس کے پاؤں پر دھرے بے اختیار رو رہا ہے، جب میں اُس معشوق کے مقابل جاکر سلام کیا، تو اُس نے نہ ہاتھ اُٹھایا اور نہ ہونٹھ ہلایا۔ میں نے کہا اتنا غرور کرنا اور جواب سلام کا نہ دینا کس مذہب میں درست ہے؟۔

واسطے اُس خدا کے جس نے مجھے بنایا ہے کچھ تو منہ سے بول، میں نے بہتیری باتیں بنائیں لیکن کچھ کام نہ آئیں، وہ چپکے بت کی طرح بیٹھے سُنا کی، تب میں نے بھی آگے بڑھ کر ہاتھ پاؤں پر چلایا تو سخت معلوم ہوا۔ آخر یہ دریافت کیا کہ پتھر سے اُس کو تراشا ہے، تب اس پیر مرد بت پرست سے پوچھا، کہ میں نے تیرے ہرن کی ٹانگ میں تیر مارا، تو نے اس عشق کی ناوک سے میرا کلیجہ چھید کر وار پار کیا، تیری دعا قبول ہوئی، اب اُس کی کیفیت مفصّل بیان کر یہ طلسم کیوں بنایا ہے اور تو نے بستی کو چھوڑ کر جنگل پہاڑ کیوں بسایا ہے؟

جب اُس کا بہت پیچھا لیا تب اُس نے جواب دیا کہ اس بات نے مجھے تو خراب کیا، کیا تو بھی سُن کر ہلاک ہوا چاہتا ہے؟ میں نے کہا، مطلب کی بات کہو، نہیں تو مار ڈالوں گا۔ بولا، اے جوان! حق تعالیٰ ہر ایک انسان کو عشق کی آنچ سے محفوظ رکھے، فرہاد و مجنون کا قصّہ سب کو معلوم ہے، تو اُس کے سنتے سے کیا پھل پائے گا؟ ناحق گھر بار، دولتِ دنیا چھوڑ چھاڑ کر نکل جائے گا؟ میں نے جواب دیا، بس اب اپنی دوستی تہ کر رکھو، اس وقت مجھے اپنا دشمن سمجھو، اگر جان عزیز ہے تو صاف کہو۔ لاچار ہو کر آنسو بھر لایا اور کہنے لگا، بندے کا نام نعمان سیّاح ہے، میں بڑا سوداگر تھا۔ ہفت اقلیم

کی سیر کی اور سب پادشاہوں کی خدمت میں رسائی ہوئی۔

ایک بار یہ خیال جی میں آیا کہ جزیرہ فرنگ کی طرف نہ گیا۔ ایک دفعہ وہاں بھی چلا چاہیئے۔ رفیقوں اور شفیقوں سے صلاح لیکر ایک قافلہ سوداگروں کا اکٹھا کر کے جہاز پر سوار، اس ملک میں جا داخل ہوا، شہر میں ڈیرا کیا۔

سوداگروں کے آنے کا چرچا ہوا، ایک خواجہ سرا معتبر قلعے میں آیا، باہم سلام علیک ہوئی، میں نے پوچھا کہ صاحب کے تشریف لانے کا کیا باعث ہے؟ فرمائیے، جواب دیا کہ شہزادی نے سنا ہے کہ سوداگر آئے ہیں اور بہت جنس لائے ہیں، لہذا مجھ کو حکم کیا کہ جا کر اُن کو حضور میں لے آؤ پس تم جو کچھ اسباب لائق پادشاہوں کی سرکار کے ہو ساتھ لے کر چلو۔

میں سب سوداگروں کو اپنے پاس بلا کر جو جو تحفہ جس کے پاس تھا لیکر جمع کیا، اور جو میرے پاس تھا وہ بھی لیا، صبح کے وقت دروازے پر بادشاہی محل کے حاضر ہوا۔ اے عزیز تو باور نہ کرے گا یہ عالم نظر آیا گویا پر کاٹ کر پریوں کو چھوڑ دیا ہے۔ جونہی پادشاہزادی پر نظر پڑی غش کی نوبت ہوئی، اور ہاتھ پاؤں رعشہ ہو گیا۔ بہرصورت سلام کیا، جو کچھ جواہر اور پارچۂ پوشاکی اور تحفہ اپنے ساتھ لے گیا تھا، جب کئی کشتیاں حضور میں چنی گئیں فرمایا، کہ قیمت اس کی بموجب فرد کے کل دی جائے گی، میں تسلیمات بجالایا اور دل میں خوش ہوا کہ اس بہانے سے بھلا کل بھی آنا ہو گا۔

غرض وہ رات تڑپتے کاٹی، فجر کو پھر جا کر حاضر ہوا اور اُسی خواجہ کے ساتھ پھر محل میں پہنچا، پادشاہزادی نے مجھے دیکھا اور ہر ایک کو اپنے اپنے کام پر

رخصت کیا۔ خلوت میں چلی گئیں اور مجھے طلب کیا۔ جب میں وہاں گیا، بیٹھنے کا حکم کیا، میں آداب بجا لاکر بیٹھا، فرمایا کہ یہاں جو تو آیا اور یہ اسباب لایا اس میں منافع کتنا منظور ہے؟ میں نے کہا کہ آپ کے قدم دیکھنے کی بڑی خواہش تھی سو خدا نے مُیسّر کی، فرمایا نہیں، جو قیمت تو نے لکھی ہے وہ عنایت ہوگی، بلکہ اور بھی انعام دیا جائے گا۔ بشرطیکہ ایک کام تجھ سے ہو سکے تو حکم کروں۔

میں نے کہا کہ غلام کا جان و مال اگر سرکار کے کام آئے تو میں اپنی طالعوں کی خوبی سمجھوں، اور آنکھوں سے کروں۔ یہ سُن کر قلمدان یاد فرمایا ایک خط لکھا، ایک رومال شبنم کا اوپر لپیٹ کر میرے حوالے کیا، اور ایک انگوٹھی نشان کے لئے اُنگلی سے اُتار دی اور کہا کہ اس طرف کو ایک بڑا باغ ہے، دلکشا اُس کا نام ہے، وہاں تو جا کر ایک شخص کیخسرو نام داروغہ ہے۔ اُس کے ہاتھ میں یہ انگشتری دے اور ہماری طرف سے دعا کہہ اور اس رقعہ کا جواب لا۔ اس کام کا انعام تجھے ایسا دوں گی کہ تو دیکھے گا۔ میں رخصت ہوا اور پوچھتا پوچھتا چلا۔ قریب دو کوس کے جب گیا وہ باغ نظر پڑا۔ جب پاس پہنچا ایک عزیز مسلّح مجھ کو پکڑے دروازے میں باغ کے لے گیا۔ دیکھوں تو ایک جوان شیر کی صورت سونے کی کرسی پر شان و شوکت سے بیٹھا ہے۔

میں نے سلام کیا، مجھے نزدیک بُلایا۔ میں نے وہ خاتم دی اور خوشامد کی باتیں کیں وہ رومال دکھایا اور خط کے بھی لانے کا تذکرہ کیا۔ سر دُھن کر بولا کہ شاید تیری اجل تجھ کو لے آئی ہے، خیر باغ کے اندر جا۔ سرو کے درخت میں ایک آہنی پنجرہ لٹکتا ہے۔ اس میں ایک جوان قید ہے، اُس کو یہ خط دے کر جواب

لے کر جلدی پھر آ۔ میں فوراً باغ میں گھسا، اور اُس درخت میں وہ قفس دیکھا اُس میں ایک جوان حسین نظر آیا، میں نے وہ خریطہ سر بمہر پنجرے کی تیلیوں کی راہ سے دیا۔ وہ عزیز رقعہ کھول کر پڑھنے لگا اور مجھ سے مشتاق وار احوال ملکہ کا پوچھنے لگا۔

ابھی باتیں تمام نہ ہوئیں تھیں کہ ایک فوج زنگیوں کی نمودار ہوئی اور چاروں طرف سے مجھ پر آ ٹوٹی، اور بے تحاشا برچھی اور تلوار مارنے لگی۔ ایک آدمی نہتھے کی بساط کیا؟ ایک دم میں زخمی کر دیا، مجھے کچھ اپنی سُدھ نہ رہی، پھر جو ہوش آیا اپنے آپ کو چارپائی پر پایا کہ دو پیادے اُٹھائے لئے جاتے ہیں، ایک نے کہا اس مردے کو میدان میں پھینک دو، دوسرا بولا اگر بادشاہ تحقیق کرے اور یہ خبر پہنچے تو جیتا گڑوا دے۔

میں نے یہ گفتگو سُن کر کہا کہ خدا کے واسطے مجھ پر رحم کرو، ابھی مجھ میں کسی قدر جان باقی ہے، لیکن یہ تو کہو مجھ پر یہ کیا حقیقت بیتی، مجھے کیوں مارا اور تم کون ہو؟ انھوں نے رحم کھا کر کہا کہ وہ جوان جو قفس میں بند ہے، اس بادشاہ کا بھتیجا ہے اور پہلے اس کا باپ تخت نشین تھا۔ رحلت کے وقت یہ وصیت اپنے بھائی کو کی، کہ ابھی میرا بیٹا جو وارث اس سلطنت کا ہے لڑکا اور بے شعور ہے، کاروبار بادشاہت کا خیر خواہی اور ہوشیاری سے تم کیا کرنا۔ جب یہ بالغ ہو اپنی بیٹی سے شادی اس کی کر دینا اور مختار تمام ملک اور خزانے کا کرنا۔

چھوٹے بھائی نے وصیت پر عمل نہ کیا، بلکہ دیوانہ اور سودائی مشہور

کر کے پنجرے میں ڈال دیا، کئی مرتبے زہر ہلاہل دیا ہے، لیکن زندگی زبردست ہے اثر نہیں کیا۔ اب وہ شہزادی اور یہ شہزادہ دونوں عاشق، معشوق بن رہے ہیں۔ وہ گھر میں تڑپتی ہے اور یہ قفس میں تڑپتا ہے، تیرے ہاتھ شوق کا نامہ بھیجا، یہ خبر ہرکاروں نے بادشاہ کو پہنچائی، حبشیوں کا دستہ متعین ہوا، تیرا یہ احوال کیا اور اس جوان قیدی کے قتل کی وزیر سے تدبیر پوچھی۔ اُس نمک حرام نے ملکہ کو راضی کیا ہے کہ اُس بے گناہ کو بادشاہ کے حضور اپنے ہاتھ سے شہزادی مار ڈالے

میں نے کہا چلو مرتے مرتے یہ بھی تماشا دیکھ لیں۔ آخر راضی ہو کر وہ دونوں اور میں زخمی چپکے ایک گوشے میں جا کر کھڑے ہوئے، دیکھا تو تخت پر بادشاہ بیٹھا ہے اور ملکہ کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہے اور شہزادے کو پنجرے سے باہر نکال کر روبرو کھڑا کیا۔ ملکہ جلاّد بن کر شمشیر برہنہ لئے ہوئے اپنے عاشق کو قتل کرنے کو آئی۔ جب نزدیک پہنچی تلوار پھینک دی اور گلے میں چمٹ گئی تب وہ عاشق بولا کہ ایسے مرنے پر میں راضی ہوں یہاں بھی تیری آرزو ہے۔ وہاں بھی تیری تمنا رہے گی۔ ملکہ بولی کہ اس بہانے سے میں تیرے دیکھنے کو آئی تھی۔ بادشاہ یہ حرکت دیکھ کر سخت برہم ہوا اور وزیر کو ڈانٹا کہ تو یہ تماشا مجھے دکھلانے کو لایا تھا؟ خواجہ سرا انکو جُدا کر کے محل میں لے گئے، اور وزیر نے خفا ہو کر تلوار اُٹھائی اور بادشاہزادے کے اوپر دوڑا کہ ایک ہی وار میں اُس بچارے کا تمام کرے۔ لیکن ایک تیر ناگہانی اُس کی پیشانی پر بیٹھا اور وہ گر پڑا۔

جوان کو پھر قفس میں بند کر کے باغ میں لے گئے۔ میں بھی وہاں سے

ایک آدمی مجھے بلا کر ملکہ کے حضور میں لے گیا۔ مجھے گھائل دیکھ کر ایک جرّاح کو بلوایا اور نہایت تاکید سے فرمایا کہ اس جوان کو جلد چنگا کر کے غسل شفا کا دے انعام اور سرفرازی پائے گا۔ غرض وہ جرّاح تگ و دو کر کے ایک چلّے میں نہلا دھلا مجھے حضور میں لے گیا۔ ملکہ نے ایک خلعت اور بہت سے روپے جو فرمائے تھے بلکہ اُس سے دو چند عطا کئے اور رخصت کیا۔

میں نے وہاں سے سب رفیق اور نوکر چاکروں کو لے کر کوچ کیا۔ جب اِس مقام پر پہنچا سب کو کہا، تم اپنے وطن کو جاؤ، اور میں نے اس پہاڑ پر یہ مکان اور اس کی صورت بنا کر اپنا رہنا مقرر کیا، اور نوکروں، غلاموں کو روپے دے کر آزاد کیا اور یہ کہہ دیا کہ جب تک میں جیتا رہوں میرے قوت کی خبر گیری تمھیں ضرور ہے آگے مختار ہو۔ اب وہی اپنی نمک حلالی سے میرے کھانے کی خبر لیتی ہیں اور میں بہ خاطر جمع اس بت کی پرستش کرتا ہوں، جب تک جیتا ہوں میرا یہی کام ہے یا فقراء! میں نے یہ مجرّد سننے اس قصّے کے کفنی گلے میں ڈالی، اور فقیروں کا لباس اختیار کیا اور اشتیاق میں فرنگ کے ملک کو روانہ ہوا۔

آخر میرے شوق نے اس شہر تک پہنچایا، گلی کوچے میں باؤلا سا پھرنے لگا اکثر ملکہ کے محل کے آس پاس رہا کرتا، لیکن کوئی ڈھب ایسا نہ ہوتا جو وہاں تک رسائی ہو۔ ایک دن بازار میں کھڑا تھا کہ یک بارگی آدمی بھاگنے لگے، اور دوکاندار دوکانیں بند کر کے چلے گئے، یا وہ رونق تھی یا سنسان ہو گیا۔ ایک طرف سے ایک جوان رستم کا سا کلّہ جبڑا، شیر کی مانند گونجتا اور تلوار جھاڑتا ہوا نظر آیا، اور اُس کے پیچھے دو غلام بانات کی پوشاک پہنے ایک تابوت سر پر لئے چلے آتے ہیں

میں نے یہ تماشا دیکھ کر ساتھ چلنے کا قصد کیا۔ رفتہ رفتہ وہ جوان مرد ایک عالی شان مکان میں چلا، میں بھی ساتھ ہوا، اُس نے پھرتے ہی چاہا کہ ایک ہاتھ مارے اور مجھے دو ٹکڑے کرے، میں نے اُسے قسم دی کہ میں بھی یہی چاہتا ہوں میں نے اپنا خون معاف کیا، کسی طرح مجھے اِس زندگی کے عذاب سے چھڑا دے کہ نہایت تنگ آیا ہوں۔ خدا نے اُس کے دل میں رحم ڈالا، اور غصہ بھی ٹھنڈا ہوا۔ بہت توجہ اور مہربانی سے پوچھا کہ تو کون ہے، اور کیوں اپنی زندگی سے بیزار ہوا ہے

میں نے کہا ذرا بیٹھیئے تو کہوں، یہ سُن کر اُس نے اپنی کمر کھولی اور ہاتھ منہ دھو دھا کر کچھ ناشتا کیا، جب فراغت کر کے بیٹھا بولا، کہہ تجھ پر کیا گذری؟ میں نے سب واردات اس پیر مرد کی اور ملکہ کی اور اپنے وہاں جانے کی کہہ سُنائی، پہلے سُن کر رویا اور یہ کہا کہ یہ تابوت جو تو نے دیکھا اسی شہزادہ مرحوم کا ہے جو قفس میں مقیّد تھا، اُس کو دوسرے وزیر نے آخر مکر سے مارا، اس کی تو نجات ہوئی کہ مظلوم مارا گیا۔ میں اُس کا کوکا ہوں۔ میں نے بھی اس وزیر کو بہ ضرب شمشیر مارا، اور پادشاہ کے مارنے کا ارادہ کیا، پادشاہ گڑگڑایا اور قسم کھانے لگا کہ میں بے گناہ ہوں، میں نے اُسے چھوڑ دیا تب سے میرا کام یہی ہے کہ ہر مہینے کی پہلی جمعرات کو میں اس تابوت کو اسی طرح شہر میں لئے پھرتا ہوں اور اس کا ماتم کرتا ہوں۔

اُس کی زبانی یہ احوال سننے سے مجھے تسلی ہوئی کہ اگر یہ چاہے گا تو میرا مقصد برآوے گا، جب شام ہوئی اور آفتاب غروب ہوا اس جوان نے تابوت کو نکالا اور ایک غلام کے عوض وہ تابوت میرے سر پر دھرا اور اپنے ساتھ لے کر چلا۔ فرمانے لگا کہ ملکہ کے نزدیک جاتا ہوں، تا بمقدور تیری سفارش کروں گا۔

جب اندر داخل ہوا ایک چبوترہ سنگ مرمر کا ہشت پہلو باغ کے صحن میں تھا، وہ تابوت وہاں رکھوایا اور ہم دونوں کو فرمایا کہ اس درخت کے پاس جا کر بیٹھو۔

بعد ایک ساعت کے شمع کی روشنی نظر آئی، ملکہ تشریف لائیں۔ لیکن اداسی اور خفگی چہرے پر ظاہر تھی، آ کر مسند پر بیٹھیں۔ یہ کوکا ادب سے دست بستہ کھڑا رہا۔ پھر ادب سے دور فرش کے کنارے مؤدب بیٹھا، فاتحہ پڑھی۔ اور کچھ باتیں کرنے لگا۔ میں کان لگائے سن رہا تھا۔ آخر اس جوان نے کہا کہ ملکہ جہاں سلامت! ملکِ عجم کا شہزادہ آپ کی خوبیاں غائبانہ سن کر اپنی سلطنت کو برباد دے بڑی محنت کھینچ کر یہاں تک آ پہنچا ہے اور اس شہر میں بہت دنوں سے حیران پریشان پھرتا ہے۔ آخر وہ قصد مرنے کا کر کے میرے ساتھ لگ چلا، میں نے تلوار سے ڈرایا، اس نے آگے گردن رکھ دی اور قسم دی کہ اب میں یہی چاہتا ہوں دیر مت کر، غرض تمہارے عشق میں ثابت ہے، میں نے خوب آزمایا، اس لئے اس کا تذکرہ کیا اگر حضور سے اس کے احوال پر مسافر جان کر توجہ ہو، تو خدا ترسی اور حق شناسی سے دور نہیں ہے۔

ملکہ نے سن کر فرمایا کہاں ہے؟ اگر شہزادہ ہے تو کیا مضائقہ؟ روبرو آئے وہ کوکا وہاں سے اٹھ کر آیا اور مجھے ساتھ لے کر گیا۔ میں ملکہ کے دیکھنے سے شاد ہوا، لیکن عقل و ہوش برباد ہوئے۔ عالم سکوت کا ہو گیا۔ ایک دم میں ملکہ سدھاری اور کوکا اپنے مکان کو چلا، گھر آ کر بولا کہ میں نے تیری سب حقیقت اول سے آخر تک ملکہ کو کہہ سنائی اور سفارش بھی کی، اب تو ہمیشہ رات کو بلا ناغہ جایا کر، میں اس کے قدم پر گر پڑا، اس نے گلے لگا لیا۔ جب رات ہوئی میں اس جوان سے رخصت ہو کر

چلا اور پائیں باغ میں ملکہ کے چبوترے پر تکیہ لگا کر جا بیٹھا۔
ایک گھڑی کے بعد ملکہ ایک خواص کے ساتھ آکر مسند پر بیٹھی۔ میں نے قدم بوس کیا اُنھوں نے میرا سر اُٹھایا اور گلے سے لگایا اور بولی کہ اس فرصت کو غنیمت جان، اور میرا کہا مان، مجھے یہاں سے لے نکل، کسی اور ملک کو چل۔ میں نے کہا چلیے۔ یہ کہہ کر ہم دونوں باغ کے باہر تو ہوئے۔ پر حیرت سے اور خوشی سے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور راہ بھول گئے۔ ملکہ برہم ہو کر بولی کہ اب میں تھک گئی، تیرا مکان کہاں ہے؟
میں نے کہا کہ میرے غلام کی حویلی نزدیک ہے اب آپہنچے، خاطر جمع رکھو اور قدم اُٹھاؤ۔ جھوٹ تو بولا پر دل میں حیران تھا کہ کہاں لیجاؤں؟ عین راہ پر ایک دروازہ مقفل نظر پڑا، جلدی سے قفل کو توڑ کر مکان کے اندر گئے، اچھی حویلی، فرش بچھا ہوا، باورچی خانے میں نان و کباب تیار تھے۔ ماندگی کمال ہو رہی تھی کچھ کھا پی کر ساری رات سو گئے۔ جب صبح ہوئی شہر میں غل مچا کہ شہزادی غائب ہوئی محلہ محلہ کوچہ کوچہ منادی پھرنے لگی۔ ہرکارے چھوٹے کہ جہاں سے ہاتھ آئے پیدا کریں اور سب دروازوں پر شہر کے، بادشاہی غلاموں کی چوکی آبیٹھی۔ تمام شہر میں عورتیں پھرنے اور گھر گھر میں گھسنے لگیں۔
مجھے جو کم بختی لگی دروازہ بند نہ کیا، ایک بڑھیا برقع اوڑھے دروازہ کھلا پاکر چلی آئی اور سامنے ملکہ کے کھڑی ہو کر ہاتھ اُٹھا دعا دینے لگی، کہ الٰہی تیری نتھ، چوڑی، سہاگ کی سلامت رہے! اور کمانے والے کی پگڑی قائم رہے۔ میں غریب فقیرنی ہوں، ایک بیٹی میری ہے کہ وہ دردِ زہ میں مرتی ہے، مجھ کو اتنی وسعت نہیں کہ چراغ جلاؤں، آج دو دن ہوئے ہیں کہ بھوکی پیاسی پڑی ہے۔ اے

صاحبزادی ! اپنی خیر کچھ ٹکڑا پارچہ دلا تو اس کو پانی پینے کا ادھار ہو۔

ملکہ نے ترس کھا کر اپنے نزدیک بُلا کر چار نان اور کباب اور ایک انگوٹھی اُتار کر حوالے کی کہ اس کو بیچ کر گہنا پاتا بنا دے اور خاطر جمع سے گذران کر۔ اُس نے اپنے دل کا مُدعا پایا، خوشی سے دعائیں دیتی اور بلائیں لیتی دفع ہوئی۔ خدا اُس آفت سے جو بچایا اُس مکان کا مالک نیزہ ہاتھ میں لئے شکار بند سے ایک ہرن لٹکائے آپہنچا۔ اپنی حویلی کا تالا ٹوٹا اور کواڑ کھلے پائے، اس دلّالہ کو نکلتے دیکھا، مارے غصّہ کے ایک ہاتھ سے اس کے بال پکڑ کر لٹکاتے ہوئے گھر میں آیا۔ اور ایک درخت کی ٹہنی سے پاؤں اوپر کئے لٹکا دیا۔ ایک دم میں تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ اُس مرد کی صورت دیکھ کر ہیبت غالب ہوئی کہ ہوائیاں منہ پر اُڑنے لگیں اور مارے ڈر کے کلیجہ کانپنے لگا۔ اُس عزیز نے ہم دونوں کو بدحواس دیکھ کر تسلّی دی کہ بڑی نادانی تم نے کی، ایسا کام کیا اور دروازہ کھول دیا۔

ملکہ نے مسکرا کر فرمایا کہ شاہزادہ اپنے غلام کی حویلی کہہ کر مجھے لے آیا، اُس نے التماس کیا کہ شہزادے نے واقعی بیان کیا۔ جتنی خلق اللہ ہے پادشاہوں کی لونڈی غلام ہیں۔ یہ غلام بے دام و درمِ زر خرید تمہارا ہے لیکن بھید چھپانا عقل کا مقتضا ہے۔ اے شہزادے تمہارا اور ملکہ کا اس غریب خانے میں توجہ فرمانا اور تشریف لانا میری سعادت دونوں جہاں کی ہے۔ میں نثار ہونے کو تیار ہوں، کسی صورت میں جان و مال سے دریغ نہ کروں گا، آپ شوق سے آرام فرمائیے۔ اب ذرا بھی خطرہ نہیں یہ اگر سلامت جاتی تو آفت لاتی، اب جب تک مزاج شریف چاہے بیٹھے رہیئے اور جو کچھ درکار ہو اس خانہ زاد کو کہئے سب حاضر کرے گا، اور

پادشاہ تو کیا چیز ہے! تمہاری خبر فرشتوں کو بھی نہ ہوگی۔ اس جوان مرد نے ایسی ایسی باتیں تسلی کی کہیں ذرا خاطر جمع ہوئی۔

ایک دن مجھے اپنا ملک اور ماں باپ یاد آئے، اس لئے نہایت متفکر بیٹھا تھا۔ میرا چہرہ دیکھ کر وہ جوان بہزاد خاں روبرو ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اس فدوی سے اگر کچھ قصور ہوا ہو تو ارشاد ہو۔ میں نے کہا یہ کیا مذکور ہے! تم نے ایسا سلوک کیا کہ اس شہر میں ایسے آرام سے رہے۔ ایسا دوست ہمارا کون تھا کہ ذرا دم لیتے، خدا تمہیں خوش رکھے اس نے کہا اگر یہاں سے دل برداشتہ ہوا ہو، تو جہاں حکم ہو وہاں خیر و عافیت سے پہنچا دوں۔ فقیر بولا کہ اگر اپنے وطن تک پہنچوں تو والدین کو دیکھوں، اُن کی بھی قدمبوسی واجب ہے، میری خبر اُن کو کچھ نہیں، اُن کے دل پر کیا قلق گذرتا ہوگا! وہ جواں مرد بولا کہ بہت مبارک ہے، چلیئے۔ یہ کہہ کے ایک گھوڑا سو کوس چلنے والا اور ایک گھوڑی جس کے پر کٹے نہیں تھے لیکن شائستہ تھی ملکہ کی خاطر لایا اور ہم دونوں کو سوار کرایا، پھر زرہ بکتر پہن، سلاح باندھ اپنے گھوڑے پر چڑھ بیٹھا اور کہنے لگا غلام آگے ہو لیتا ہے صاحب خاطر جمع سے گھوڑے دبائے ہوئے چلے آئیں۔

جب شہر کے دروازے پر آیا ایک نعرہ مارا اور تبر سے قفل کو توڑا اور نگہبانوں کو ڈانٹ بتا کر للکارا کہ اپنے خاوند کو جا کر کہو کہ بہزاد خان ملکہ مہر نگار اور شہزادہ کامگار کو جو تمہارا داماد ہے ہانکے پکارے لئے جاتا ہے۔ یہ خبر بادشاہ کو جلد جا پہنچی۔ ایک دم کے بعد فوج آئی اور تمام زمین و آسمان گرد باد ہو گیا۔ بہزاد خاں نے ملکہ کو اور اس فقیر کو ایک دریں پل کے کھڑا کیا

اور آپ اس فوج کی طرف پھرا، تمام لشکر کائی سا پھٹ گیا اور یہ سرداروں تک جا پہنچا دونوں کے سر کاٹ لئے، جب سردار مارے گئے لشکر تتر بتر ہو گیا

سچ ہے فتح داد الٰہی ہے، لیکن بہزاد خاں نے ایسی جواں مردی کی کہ شاید رستم سے بھی نہ ہو سکتی، ملکہ کو اور مجھ کو ساتھ لیکر چلا۔ سفر کی عمر کوتاہ ہوتی ہے۔ تھوڑے عرصے میں اپنے ملک کی سرحد میں جا پہنچے۔ ایک عرضی صحیح سلامت آنے کی بادشاہ کے حضور میں لکھ کر روانہ کی۔ جہاں پناہ پڑھ کر شاد ہوئے سب امیروں کو جلو میں لے کر اس عاجز کے استقبال کی خاطر لبِ دریا آ کر کھڑے ہوئے۔ میں نے دوسرے کنارے پر بادشاہ کی سواری دیکھی، قدمبوسی کی آرزو میں گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا، حضور میں حاضر ہوا، مجھے مارے اشتیاق کے کلیجے سے لگا لیا۔

اب ایک اور آفت ناگہانی پیش آئی کہ جس گھوڑے پر میں سوار تھا اس کو دیکھ کر گھوڑی نے بھی جلدی کر کے خود کو ملکہ سمیت میرے پیچھے دریا میں گرایا اور پیرنے لگی۔ ملکہ نے گھبرا کے باگ کھینچی وہ منہ کی نرم تھی اُلٹ گئی ملکہ غوطہ کھا دریا میں ڈوب گئی۔ بہزاد خاں نے یہ حالت دیکھ کر خود کو گھوڑے سمیت ملکہ کی مدد کی خاطر دریا میں پہنچایا، وہ بھی اُس بھنور میں آ گیا پھر نکل نہ سکا۔ جہاں پناہ نے مہا جال منگوا کر پھنکوایا، سارا دریا چھان مارا، پر وہ ہاتھ نہ آئے۔ یا فقرا! یہ حادثہ ایسا ہوا کہ میں سودائی اور جنونی ہو گیا اور فقیر بن کر پھرتا تھا، اگر ملکہ کہیں غائب ہو جاتی یا مر جاتی تو دل کو تسلی آتی، پھر تلاش کو نکلتا یا صبر کرتا، لیکن جب نظروں کے روبرو

غرق ہوگئی تو کچھ بس نہ چلا۔ آخر جی میں یہی لہر آئی کہ دریا میں ڈوب جاؤں شاید اپنے محبوب کو مر کر پاؤں۔

ایک روز رات کو اُسی دریا میں ڈوبنے کا ارادہ کیا۔ گلے تک پانی میں گیا، چاہتا ہوں کہ آگے پاؤں رکھوں اور غوطہ کھاؤں، وہی سوار برقعہ پوش آپہنچے۔ میرا ہاتھ پکڑ لیا اور دلاسا دیا کہ خاطر جمع رکھ، خدا کی درگاہ سے مایوس مت ہو، اگر جیتا رہیگا تو تیری ملاقات ایک نہ ایک روز ہو رہے گی۔ اب تو روم کی طرف جا اور بھی دو درویش دلریش وہاں گئے ہیں، اُن سے تو جب ملے گا اپنی مراد کو پہنچے گا، یا فقراء! بموجب حکم اپنے ہادی کے میں بھی خدمت شریف میں آکر حاضر ہوا ہوں۔ اُمید قوی ہے کہ ہر ایک اپنے مطلب کو پہنچے۔

چوتھے دُرویش کی سیر

چوتھے فقیر نے اپنی سیر کی کیفیت رو رو کر اس طرح بیان کی۔

قصہ ہماری بے سروپائی کا اب سنو
ٹک اپنا دھیان رکھ کے مرا حال سب سنو
کس واسطے میں آیا ہوں یاں تک تباہ ہو
سارا بیان کرتا ہوں۔ اس کا سبب سنو

یہ فقیر جو اس حالت میں گرفتار ہے، چین کے بادشاہ کا بیٹا ہے۔ ناز و نعمت سے پرورش اور اچھی تربیت پائی۔ زمانے کے بھلے بُرے سے کچھ واقف نہ تھا۔ عین بے فکری میں والد نے رحلت فرمائی۔ جان کندنی کے وقت اپنے چھوٹے بھائی کو بلایا' اور فرمایا، کہ ہم نے تو سب مال ملک چھوڑ کر ارادہ کوچ کا کیا لیکن یہ وصیت میری تم بجا لاؤ۔ جب تک شہزادہ جو مالک اس تخت کا ہے جوان ہو، تم اس کی نیابت کرو اور سپاہ و رعیت کو خراب نہ ہونے دو۔ جب وہ بالغ ہو اس کو سب کچھ سمجھا کر تخت حوالے کرنا اور روشن اختر جو تمہاری بیٹی ہے اس سے شادی کرکے تم سلطنت سے کنارہ پکڑنا۔ اِس سلوک سے پادشاہت

ہمارے خاندان میں قائم رہے گی، کچھ خلل نہ آئے گا۔ یہ کہہ کر آپ تو جاں بحق تسلیم ہوئے، چچا بادشاہ ہوا اور بندوبست ملک کا کرنے لگا۔ یہ فقیر چودہ برس کی عمر تک بیگمات اور خواصوں میں پلا کیا۔ چچا کی بیٹی سے شادی کی خبر سُن کر شاد تھا، اور دل میں کہتا کہ اب کوئی دن میں بادشاہت بھی ہاتھ لگے گی اور کتخدائی بھی ہوگی۔ دنیا بہ اُمید قائم ہے ایک غلام مبارک نام کہ والد مرحوم کی خدمت میں تربیت پائی تھی اور نمک حلال تھا، میں اکثر اس کے نزدیک جا بیٹھتا، وہ بھی مجھے بہت پیار کرتا اور میری جوانی دیکھ کر خوش ہوتا اور کہتا کہ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارا عمّو، ظلِّ سبحانی کی نصیحت پر عمل کرے گا۔ اپنی بیٹی اور تمہارے والد کا تخت تمہیں دے گا۔

ایک روز یہ اتفاق ہوا کہ ایک ادنیٰ سہیلی نے بے گناہ مجھے ایسا طمانچہ مارا کہ میرے گال پر پانچوں انگلیوں کا نشان اُبھر آیا۔ میں روتا ہوا مبارک کے پاس گیا اُس نے مجھے گلے لگا لیا اور آنسو آستین سے پونچھے اور کہا کہ چلو آج تمھیں بادشاہ پاس لے چلوں شاید دیکھ کر مہربان ہو اور لائق سمجھ کر تمہارا حق تمھیں دے۔ اسی وقت چچا کے حضور میں لے گیا، چچا نے دربار میں نہایت شفقت کی، اور پوچھا کہ کیوں دلگیر ہو اور آج یہاں کیونکر آئے؟ مبارک بولا کچھ عرض کرنے آئے ہیں، یہ سُن کر خود بخود کہنے لگا کہ اب میاں کا بیاہ

کر دیتے ہیں، مبارک نے کہا "بہت مبارک ہے"۔ نجومی اور رمّالوں کو طلب کیا، اور اوپری دل سے پوچھا کہ اس سال کونسا دن اور گھڑی، مبارک ہے کہ سرانجام شادی کا کروں؟ اُنھوں نے مرضی پاکر عرض کی کہ قبلۂ عالم! یہ برس سارا نحس ہے، کسی چاند میں کوئی تاریخ نیک نہیں ٹھیرتی، اگر یہ سال تمام بخیر و عافیت کٹے آئندہ کارخیر کے لئے بہتر ہے۔

پادشاہ نے کہا شاہزادے کو محل میں لے جا، خدا چاہے تو اس سال کے گذرنے سے اس کی امانت اس کے حوالے کردونگا مبارک نے سلام کیا اور مجھے محل میں پہنچا دیا۔ دو تین دن کے بعد مبارک مجھے دیکھتے ہی رونے لگا، میں حیران ہوا اور پوچھا کہ خیر تو ہے۔ تمہارے رونے کا کیا باعث ہے؟ تب وہ خیر خواہ بولا کہ سب امیر، وزیر، ارکانِ دولت، چھوٹے اور بڑے تمہیں دیکھ کر خوش ہوئے اور خدا کا شکر کرنے لگے کہ اب ہمارا صاحبزادہ جوان ہوا اور سلطنت کے لائق ہوا۔ اب کوئی دن میں حق حقدار کو ملے گا۔ تب ہماری قدر دانی کرے گا اور خانہ زاد موروثیوں کی قدر سمجھے گا یہ خبر اُس بے ایمان کو پہنچی، اس کی چھاتی پر سانپ پھر گیا۔ مجھے خلوت میں بلا کر کہا، اے مبارک! اب ایسا کام کر کہ شہزادہ کو کسی فریب سے مار ڈال، جو میری خاطر جمع ہو۔ تب سے میں بے حواس ہو رہا ہوں، کہ تیرا چچا تیری جان کا دشمن ہوا۔ جو نہی

مبارک سے یہ خبر میں نے سنی، بغیر مارے مرگیا اور جان کے ڈر سے
اس کے پاؤں پر گر پڑا کہ واسطے خدا کے میں سلطنت سے گذرا
کسی طرح میری جان بچے۔ اس غلام باوفا نے میرا سر اُٹھاکر چھاتی
سے لگالیا اور جواب دیا کہ کچھ خطرہ نہیں ایک تدبیر مجھے سوجھی ہے
اگر راست آئی تو کچھ پروا نہیں، زندگی ہے تو سب کچھ ہے۔

یہ بھروسا دے کر مجھے ساتھ لے کر اُس جگہ جہاں بادشاہِ
مغفور یعنی والد اس فقیر کے، سوتے بیٹھتے تھے گیا اور میری بہت
خاطر جمع کی۔ وہاں ایک کرسی بچھی تھی، ایک طرف مجھے کہا اور ایک
طرف آپ پکڑکر کرسی کو سرکایا اور کرسی کے تلے کا فرش اُٹھایا اور
زمین کو کھودنے لگا۔ ایکبارگی ایک کھڑکی ظاہر ہوئی کہ زنجیر اور قفل
اس میں لگا ہے۔ مجھے بلایا، میں اپنے دل میں یہ سمجھا کہ میرے
ذبح کرنے اور گاڑنے کو یہ گڑھا کھودا ہے۔ موت آنکھوں کے سامنے
پھر گئی۔ لاچار نزدیک گیا دیکھتا ہوں تو اس دریچے کے اندر عمارت
ہے۔ اور چار مکان ہیں، ہر ایک دالان میں دس دس خُمیں سُونے
کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی لٹکتی ہیں۔ اور ہر ایک کے منہ پر ایک سونے
کی اینٹ اور بندر جڑاؤ کا بنا ہوا بیٹھا ہے۔ انتالیس گولیاں چاروں
مکان میں گنیں اور ایک خُم کو دیکھا کہ اشرفیاں بھری ہیں۔ اس پر
بندر ہے نہ خشت ہے، میں نے مبارک سے پوچھا کہ یہ کیا طلسم ہے
اور کس کا مکان ہے اور یہ کس کام کے ہیں؟ بولا کہ یہ بوزنے جو

دیکھتے ہو اُن کا یہ ماجرا ہے کہ تمہارے باپ نے ملک صادق جو جنوں کا بادشاہ ہے اس کے ساتھ دوستی اور آمد و رفت پیدا کی تھی۔

چنانچہ ہر سال ایک دفعہ کئی طرح کے تحفے لے جاتے اور ایک مہینے کے قریب اس کی خدمت میں رہتے۔ جب رخصت ہوتے تو ملک صادق ایک بندر زمرد کا دیتا، ہمارا پادشاہ اُسے لاکر اس تہہ خانے میں رکھتا۔ اس بات سے سوائے میرے کوئی دوسرا مُطلع نہ تھا۔ ایک مرتبہ غلام نے عرض کی کہ جہاں پناہ! لاکھوں روپے کے تحفے لے جاتے ہیں، اور وہاں سے ایک بوزینہ پتھر کا آپ لے آتے ہیں، آخر اس کا فائدہ کیا ہے؟ جواب میری اس بات کا مسکراکر فرمایا، خبردار کہیں ظاہر نہ کر۔ یہ ایک ایک بندر بیجان تو جو دیکھتا ہے ہر ایک کے ہزار دیو زبردست تابع اور فرمانبردار ہیں لیکن جب تک میرے پاس چالیس بندر پورے جمع نہ ہوں یہ سب نکمے ہیں کچھ کام نہ آئیں گے، سو ایک بندر کی کمی تھی کہ اُسی برس پادشاہ نے وفات پائی۔

اتنی محنت کچھ ٹھکانے نہ لگی اس کا فائدہ ظاہر نہ ہوا، اے شہزادے تیری یہ حالت بے کسی کی دیکھ کر مجھے یاد آیا اور یہ جی میں ٹھیرایا کہ کسی طرح تجھ کو ملک صادق کے پاس لے چلوں اور تیرے چچا کا ظلم بیان کروں، غالب ہے کہ تمہارے باپ کی دوستی

یاد کرکے ایک بندر جو باقی ہے تجھے دے تب اُن کی مدد سے تیرا ملک تیرے ہاتھ آئے۔ اس حرکت سے تیری جان بچتی ہے۔ اگر اور کچھ نہ ہوا تو اس ظالم کے ہاتھ سے سوائے اس تدبیر کے اور کوئی صورت رہائی کی نظر نہیں آتی۔ میں نے سُن کر کہا کہ اب تو میری جان کا مختار ہے، جو میرے حق میں بھلا ہو سو کر۔ میری تسلّی کرکے جو کچھ وہاں کے لے جانے کی خاطر مناسب جانا خرید کرنے بازار میں گیا۔

دوسرے دن میرے اس کافر چچا کے پاس گیا اور کہا جہاں پناہ! شہزادے کے مار ڈالنے کی ایک صورت میں نے دل میں ٹھیرائی ہے اگر حکم ہو تو عرض کروں۔ وہ کم بخت خوش ہوکر بولا وہ کیا تدبیر ہے؟ مبارک نے کہا کہ اس کے مار ڈالنے میں سب طرح آپ کی بدنامی ہے مگر میں اسے باہر جنگل میں لے جاکر ٹھکانے لگاؤں اور گاڑ داب کر چلا آؤں، ہرگز کوئی محرم نہ ہوگا کہ کیا ہوا۔ یہ سُن کر بولا کہ بہت مبارک۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ سلامت نہ رہے، اگر مجھے اس فکر سے تو چھڑائے گا تو اس خدمت کے عوض بہت کچھ پائے گا۔

مبارک وہ تحفے لے کر آدھی رات کو شہر سے کوچ کیا ایک مہینے تک پیہم چلا گیا۔ ایک روز رات کو چلے جاتے تھے مبارک بولا کہ شکر خدا کا اب منزل مقصود کو پہنچے، میں نے سُن کر کہا کہ یہ تو نے کیا کہا؟ کہنے لگا اے شہزادے! جنوں کا لشکر کیا نہیں

دیکھتا ؟ میں نے کہا مجھے تیرے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ مبارک نے ایک سرمہ دانی نکال کر سرمہ کی سلائی میری دونو آنکھوں میں پھیر دیں جنوں کی خلقت اور لشکر نظر آنے لگا لیکن سب خوش رو اور خوش لباس، مبارک کو پہچان کر ہر ایک آشنائی کی راہ سے گلے ملتا۔

آخر جاتے جاتے بارگاہ شاہی میں داخل ہوئے، درمیان میں ایک تخت مرصّع کا بچھا ہے اُس پر ملک صادق مسند پر تکیے لگائے بڑی شان و شوکت سے بیٹھا ہے۔ میں نے نزدیک جاکر سلام کیا مہربانی سے بیٹھنے کا حکم دیا، تب مبارک کی طرف متوجہ ہوکر احوال میرا پوچھا۔ مبارک نے کہا کہ اب ان کے باپ کی جگہ پر چچا ان کا بادشاہت کرتا ہے، اور ان کا دشمن جانی ہوا ہے، اس لئے میں انھیں وہاں سے لے بھاگ کر آپ کی خدمت میں لایا ہوں کہ یتیم ہیں اور سلطنت ان کا حق ہے، لیکن بغیر مربّی کسی سے کچھ نہیں ہوسکتا حضور کی دستگیری کے باعث اس مظلوم کی پرورش ہوتی ہے۔ ان کے باپ کی روح خوش ہوتی ہے، ان کے باپ کی خدمت کا حق یاد کرکے ان کی مدد فرمائیے اور وہ چالیسواں بندر عنایت کیجئے تاکہ چالیس پورے ہوں اور یہ اپنے حق کو پہنچ کر تمہارے جان و مال کو دعا دیں، سوائے صاحب کی پناہ کے کوئی ان کا ٹھکانا نظر نہیں آتا۔

صادق نے تامّل کرکے کہا کہ واقعی حقوق خدمت پادشاہ مغفور

کے ہمارے اوپر بہت تھے۔ تا مقدور کسی طرح ہم سے کمی نہ ہوگی۔ لیکن ایک کام ہمارا ہے اگر وہ اس سے ہوسکا اور خیانت نہ کی اور بخوبی انجام دیا اور اس امتحان میں پورا اترا تو میں قول قرار کرتا ہوں کہ پادشاہ سے زیادہ سلوک کروں گا اور جو یہ چاہے گا سو دونگا، میں نے ہاتھ باندھ کر التماس کیا کہ اس فدوی سے تا بہ مقدور جو خدمت سرکار کی ہوسکے گی بہ سروچشم بجالائے گا اور اس کو خوبی و دیانت داری اور ہوشیاری سے کرے گا۔ فرمایا کہ تو ابھی لڑکا ہے اس واسطے بار بار تاکید کرتا ہوں، مبادا خیانت کرے آفت میں پڑے۔ میں نے کہا خدا پادشاہ کے اقبال سے آسان کرے گا اور میں حتیٰ المقدور کوشش کرونگا اور امانت حضور تک لے آؤں گا۔

یہ سُن کر ملک صادق نے مجھ کو قریب بلایا اور کاغذ نکال کر مجھے دکھلایا اور کہا، یہ جس شخص کی شبیہ ہے اُسے تلاش کرکے میری خاطر پیدا کرکے لا، اور جس گھڑی تو اُس کا نام و نشان پائے اور سامنے جائے، میری طرف سے بہت اشتیاق ظاہر کر، اگر یہ خدمت تجھ سے سرانجام ہوئی تو جتنی توقع تجھے منظور ہے اس سے زیادہ غور و پرداخت کی جائے گی، میں نے اس کاغذ کو جو دیکھا ایک تصویر نظر پڑی کہ غش سا آنے لگا، مارے ڈر کے خود کو سنبھالا اور کہا، بہت خوب میں رخصت ہوتا ہوں، اگر خدا کو میرا بھلا کرنا ہے تو بموجب حکم حضور کے مجھ سے عمل میں آئے گا، بستی بستی، شہر شہر، ملک ملک پھرنے

لگا۔ اور ہر ایک سے اس کا نام و نشان تحقیق کرتے۔ سات برس تک اسی عالم میں حیرانی و پریشانی سہتا ہوا ایک نگر میں وارد ہوا۔ عمارت عالی اور آباد، لیکن وہاں کا ہر ایک متنفس خدا کی عبادت و بندگی کرتا تھا

ایک اندھا فقیر بھیک مانگتا نظر آیا لیکن کسی نے ایک کوڑی یا ایک نوالہ نہ دیا، مجھے اُس کے اوپر رحم آیا۔ جیب سے ایک اشرفی نکال کر اس کے ہاتھ دی، وہ لے کر بولا کہ اے داتا! خدا تیرا بھلا کرے۔ تو شاید مسافر ہے، اس شہر کا باشندہ نہیں۔ میں نے کہا فی الواقع سات برس سے تباہ ہوں، آج اس بلدے میں آپہنچا ہوں۔ وہ بوڑھا دعائیں دے کر چلا میں اس کے پیچھے ہو لیا، شہر کے باہر ایک مکان عالی شان نظر آیا وہ اُس کے اندر گیا، میں بھی چلا، دیکھا تو جا بجا عمارت گری پڑی ہے۔

میں نے دل میں کہا کہ یہ محل پادشاہوں کے لائق ہے۔ پر معلوم نہیں کہ اُجاڑ کیوں پڑا ہے اور یہ نابینا اس محل میں کیوں بستا ہے۔ وہ لاٹھی ٹیکتا ہوا چلا جاتا تھا کہ ایک آواز آئی جیسے کوئی کہتا ہے کہ اے باپ! خیر تو ہے، آج سویرے کیوں پھرے آتے ہو؟ پیر مرد نے سُن کر جواب دیا کہ بیٹی! خدا نے ایک جوان مسافر کو میرے احوال پر مہربان کیا۔

اُس نے ایک اشرفی مجھے دی۔ بہت دنوں سے پیٹ بھر کر اچھا کھانا نہ کھایا تھا، سو گوشت، مسالا، گھی، تیل اور آٹا مول لیا اور تیری خاطر کپڑا جو ضروری تھا خرید کیا، اب کھانا پکا تو کھا پی کے اس

سخی کے حق میں دعا دیں۔ میں نے یہ احوال اس کی فاقہ کشی کا جو سُنا بے اختیار جی میں آیا کہ بیس اشرفیاں اور اس کو دُوں، لیکن آواز کی طرف دھیان جو گیا تو ایک عورت دیکھی کہ ٹھیک وہ تصویر اسی معشوق کی تھی۔ تصویر کو نکال کر مقابل کیا، سرِ مو تفاوت نہ دیکھا۔ بے ہوش ہوگیا پھر مجھ میں ذرا سا ہوش آیا، اُسی کی طرف تاک رہا تھا، وہ نازنین بولی کہ اے جوان! خدا سے ڈر اور غیر عورت پر نگاہ مت کر، حیا اور شرم سب کو ضرور ہے۔

اس لیاقت سے گفتگو کی کہ میں اس کی صورت اور سیرت پر محو ہو گیا، مبارک میری خاطرداری بہت سی کرنے لگا، لیکن دل کی حالت کی اس کو کیا خبر تھی؟ لاچار ہو کر میں پکارا کہ اے خدا کے بندو اور اس مکان کے رہنے والو! میں غریب مسافر ہوں، اگر اپنے پاس مجھے بلاؤ اور رہنے کو جگہ دو، تو بڑی بات ہے۔ اُس اندھے نے نزدیک بلایا اور آواز پہچان کر گلے لگایا، اور جہاں وہ گلبدن بیٹھی تھی اُس مکان میں لے گیا۔ وہ ایک کونے میں چھپ گئی۔ اُس بوڑھے نے مجھ سے پوچھا کہ اپنا ماجرا کہہ، کہ تجھے کس کی تلاش ہے؟ میں نے کہا کہ یہ بے کس شہزادہ چین و ماچین کا ہے، چنانچہ میرے ولی نعمت ہنوز بادشاہ ہیں۔ ایک سوداگر سے لاکھوں روپے دے کر یہ تصویر مول لی تھی، اُس کے دیکھنے سے سب ہوش آرام جاتا رہا اور فقیر کا بھیس بدل کر تمام دُنیا چھان ماری، اب یہاں میرا مطلب ملا ہے۔ سو تمہارا

اختیار ہے۔

یہ سُن کر اندھے نے ایک آہ ماری اور بولا، اے عزیز! میری لڑکی بڑی مصیبت میں گرفتار ہے، کسی بشر کی مجال نہیں کہ اس سے نکاح کرے اور پھل پائے۔ میں نے کہا کہ مفصل بیان کرو۔ تب اس مرد نے اپنا ماجرا اِس طور سے ظاہر کیا، کہ سُن اے پادشاہزادے! میں رئیس اس کم بخت شہر کا ہوں۔ میرے بزرگ عالی خاندان تھے حق تعالیٰ نے یہ بیٹی مجھے عنایت کی، جب بالغ ہوئی تو اس کی خوبصورتی اور نزاکت اور سلیقے کا شور ہوا، اور سارے ملک میں مشہور ہوا کہ فلانے کے گھر میں ایسی لڑکی ہے کہ اُس کے حُسن کے مقابل حور پری شرمندہ ہے، یہ تعریف اس شہر کے شہزادے نے سُنی۔ غائبانہ بغیر دیکھے بھالے عاشق ہوا، کھانا پینا چھوڑ دیا۔

آخر پادشاہ کو یہ بات معلوم ہوئی، مجھے رات کو خلوت میں بلایا اور باتوں میں پُھسلایا حتیٰ کہ نسبت ناتا کرنے میں راضی کیا۔ میں بھی سمجھا کہ جب بیٹی گھر میں پیدا ہوئی تو پس اِس سے کیا بہتر ہے کہ پادشاہزادے سے منسوب کردوں؟ میں قبول کرکے رخصت ہوا ایک روز اچھی ساعت میں قاضی، مفتی، عالم اور فاضل سب جمع ہوئے۔ نکاح باندھا گیا۔ دُلھن کو بڑی دھوم دھام سے لے گئے، سب رسم رسومات کرکے فارغ ہوئے۔ رات کو اس مکان میں ایک شور غل ایسا ہوا کہ لوگ حیران ہوئے، دروازہ کوٹھڑی کا کھول کر چاہا دیکھیں

کہ یہ کیا آفت ہے۔ اندر سے ایسا بند تھا کہ کواڑ کھول نہ سکے۔ ایک دم میں وہ رونے کی آواز بھی کم ہوئی، پٹ کی چول اُکھاڑ کر دیکھا تو دولھا سرکٹا ہوا پڑا تڑپتا ہے اور دُلھن کے مُنہ سے کف چلا جاتا ہے اور اسی مٹی لہو میں لتھڑی ہوئی بے حواس پڑی لوٹتی ہے۔

یہ دیکھ کر سب کے ہوش جاتے رہے، بادشاہ کو خبر پہنچی۔ سر پیٹتا ہوا دوڑا، تمام ارکان سلطنت جمع ہوئے، پر کسی کی عقل کام نہیں کرتی، کہ اس احوال کو دریافت کرے۔ آخر بادشاہ نے اس قلق کی حالت میں حکم دیا کہ اس کم بخت دُلھن کا بھی سر کاٹ ڈالو یہ بات بادشاہ کی زبان سے جونہی نکلی، پھر ویسا ہی ہنگامہ برپا ہوا بادشاہ ڈرا اور اپنی جان کے خطرے سے نکل بھاگا اور فرمایا کہ اسے محل سے باہر نکال دو۔ خواصوں نے اس لڑکی کو میرے گھر میں پہنچا دیا۔ یہ چرچا دنیا میں مشہور ہوا جس نے سُنا حیران ہوا، اور شہزادے کے مارے جانے کے سبب سے خود بادشاہ اور جتنے باشندے اس شہر کے ہیں میرے جانی دشمن ہوئے۔

جب ماتم داری سے فراغت ہوئی اور چہلم ہو چکا، بادشاہ نے ارکانِ دولت سے صلاح پوچھی، کہ اب کیا کیا چاہئے؟ سبھوں نے کہا اور تو کچھ ہو نہیں سکتا، پر ظاہر میں دل کی تسلی اور صبر کے واسطے اس لڑکی کو اس کے باپ سمیت مار ڈالئے۔ جب میری یہ سزا مقرر کی، کوتوال کو حکم ہوا، اس نے آکر چاروں طرف سے میری حویلی کو

گھیر لیا اور چاہا کہ اندر گھسیں اور پادشاہ کا حکم بجا لائیں۔ غیب سے اینٹ پتھر ایسے برسنے لگے کہ تمام فوج تاب نہ لاسکی، اپنا سر منہ بچاکر بھاگی، اور ایک آوازِ مہیب پادشاہ نے محل میں اپنے کانوں سے سُنی کہ کیوں کم بختی آئی ہے، بھلا چاہتا ہے تو اُس نازنین کے احوال کا متعرض نہ ہو، نہیں تو جو کچھ تیرے بیٹے نے اس سے شادی کرکے دیکھا، تو بھی اس کی دشمنی سے دیکھے گا، اب اگر ان کو ستائیگا تو سزا پائے گا۔

پادشاہ کو مارے دہشت کے تپ چڑھی، فوراً حکم کیا کہ ان بدبختوں سے کوئی مزاحم نہ ہو کچھ کہو نہ سنو، حویلی میں پڑا رہنے دو اس دن سے عامل دعا، تعویذ اور سیانے جنتر منتر کرتے ہیں۔ اور سب باشندے اس شہر کے اسم اعظم اور قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ مدت سے یہ تماشا ہو رہا ہے، لیکن اب تک کچھ اسرار معلوم نہیں ہوتا اور مجھے بھی ہرگز اطلاع نہیں، مگر اس لڑکی سے ایک بار پوچھا کہ تم نے اپنی انکھوں سے کیا دیکھا تھا؟ یہ بولی کہ اور تو کچھ میں نہیں جانتی، شادی کی رات میں چھت پھٹ کر ایک تخت مرصع نکلا، اس پر ایک جوان خوب صورت شاہانہ لباس پہنے بیٹھا تھا اور ساتھ بہت سے آدمی اہتمام کرتے ہوئے اس مکان میں آئے اور شہزادے کے قتل کے مستعد ہوئے۔ وہ سردار میرے نزدیک آیا اور بولا، اب ہم سے کہاں بھاگو گی؟ ان کی صورتیں آدمی کی سی تھیں، لیکن پاؤں

بکریوں کے سے نظر آئے، میرا کلیجہ دھڑکنے لگا اور خوف سے غش میں آگئی، پھر مجھے کچھ سُدھ نہیں کہ آخر کیا ہوا۔

تب سے اِس چھوٹے مکان میں ہم دونوں رہتے ہیں۔ بادشاہ کے غصّے کے باعث رفیق سب جدا ہوگئے اور میں گدائی کرنے نکلتا ہوں، تو کوئی کوڑی نہیں دیتا۔ خدا سے یہ چاہتا ہوں کہ موت آئے، یا زمین پھٹے، اس جینے سے مرنا بھلا ہے۔

میں نے بہت منت و زاری کی، کہ مجھے اپنی فرزندی میں قبول کر، جو میری قسمت میں بدا ہوگا سو ہوگا۔ وہ ہرگز راضی نہ ہوا۔ جب شام ہوئی اُس سے رخصت ہوکر سرا میں آیا۔ مبارک نے کہا لو شہزادے! مبارک ہو، خدا نے اسباب تو درست کیا ہے۔ یہ محنت اکارت نہ گئی میں نے کہا، آج کتنی خوشامد کی، پر وہ اندھا راضی نہیں ہوتا، خدا جانے دے گا یا نہیں۔ پر میرے دل کی یہ حالت تھی کہ رات کاٹنی مشکل ہوئی جب روز روشن ہوا، چوک میں سے اچھے اچھے تھان پوشاکی اور گوٹا کناری اور میوہ خشک و تر خرید کرکے اس بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا نہایت خوش ہوکر بولا کہ سب کو اپنی جان سے زیادہ کچھ عزیز نہیں، پر اگر میری جان بھی تیرے کام آئے تو دریغ نہ کروں اور اپنی بیٹی ابھی تیرے حوالے کروں، لیکن یہی خوف آتا ہے کہ اس حرکت سے تیری جان کو خطرہ نہ ہو۔ پھر مکرر اس سے منت وزاری سے کہا تم میرے دین دُنیا کے باپ ہو، میں اس آرزو میں مدّت سے کیا کیا تباہی اور پریشانی،

کھینچتا ہوا اور کیسے کیسے صدمے اُٹھاتا ہوا یہاں تک آیا اور مطلب کا بھی سُراغ پایا، خدا نے تمھیں بھی مہربان کیا جو بیاہ دینے پر رضامند ہوئے لیکن میرے واسطے آگا پیچھا کرتے ہو۔

غرض قریب ایک مہینے کے خوف و رجا میں گذرا، ہر روز اس بزرگ کی خدمت میں دوڑا جاتا اور خوشامد برآمد کیا کرتا۔ اتفاقاً وہ بیمار ہوا، ایک دن فرمانے لگا کہ لو اپنی بیٹی ہم نے تم کو دی، خدا مبارک کرے، جب تک میرے دم میں دم ہے میری آنکھوں کے سامنے رہو جب میری آنکھ بند ہو جائے گی، تم مختار ہو۔

کئی روز بیمار رہ کر وہ مردِ بزرگ جاں بحق تسلیم ہوا، رو پیٹ کر تجہیز و تکفین کیا، اس نازنین کو کارواں سرا میں لے آیا، مبارک نے کہا کہ یہ امانت ملک صادق کی ہے۔ خبردار خیانت نہ کر اور یہ محنت مشقت برباد نہ کر۔ میں نے کہا ملک صادق یہاں کہاں ہے۔ مبارک نے دق ہو کر ڈانٹا کہ لڑکپن نہ کرو، ابھی ایک دم میں کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے ملک صادق کو دور جانتے ہو، جو اس کا فرمانا نہیں مانتے ہو؟ اس نے چلتے وقت پہلے ہی اونچ نیچ سب سمجھا دی ہے، اگر اُس کے کہنے پر رہو گے اور صحیح سلامت اس کو وہاں تک لے چلو گے تو وہ بھی بادشاہ ہے۔ شاید تمہاری محنت پر توجہ کر کے تمہیں کو بخش دے تو کیا اچھی بات ہو۔

اس کے ڈرانے اور سمجھانے سے میں حیران ہو کر چپکا ہو رہا

دو سانڈنیاں خرید کیں اور کجاؤں پر سوار ہوکر ملک صادق کے ملک کو روانہ ہوئے، چلتے چلتے ایک میدان میں آواز آنے لگی۔ مبارک نے کہا شکر خدا کا یہ لشکر جنوں کا آپہنچا، مبارک نے اُن سے پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے۔ وہ بولے کہ بادشاہ نے تمہارے استقبال کے واسطے ہمیں متعین کیا ہے، اب تمہارے فرمانبردار ہیں، اگر کہو تو ایک دم میں روبرو لے چلیں۔ مبارک نے کہا دیکھو کس کس محنتوں سے خدا نے بادشاہ کے حضور میں ہمیں سُرخ رو کیا، اب جلدی کیا ضروری ہے؟ اگر خدانخواستہ کچھ خلل ہو جائے، تو ہماری محنت اکارت ہو۔ سبھوں نے کہا کہ تم مختار ہو، جس طرح جی چاہے چلو۔

جب نزدیک جا پہنچے میں مبارک کو سوتا دیکھ کر اُس نازنین سے اپنے دل کی بیقراری اور ملک صادق کے سبب سے لاچاری، نہایت منت وزاری سے کہنے لگا۔ فرمانے لگی کہ میرا بھی دل تمہاری طرف مائل ہے، کہ تم نے میری خاطر کیا کیا اٹھایا۔ مجھے بھول نہ جانا۔ یہ کہہ کر رونے لگی۔ اتنے میں مبارک کی نیند ٹوٹ گئی، وہ ہم دونوں کا رونا دیکھ کر رونے لگا اور بولا، خاطر جمع رکھو، ایک روغن میرے پاس ہے اس گلبدن کے بدن میں مل دوں گا، اُس کی بُو سے ملک صادق کا جی ہٹ جائے گا۔ غالب ہے کہ تمھیں کو بخش دے۔

جب روز روشن ہوا آواز جنوں کی معلوم ہونے لگی، دیکھا تو کئی خواص ملک صادق کے آئے ہیں۔ مبارک نے اُس نازنین کو وہ

تیل مل دیا اور پوشاک پہنا بناؤ کر کے ملک صادق کے پاس لے چلا، بادشاہ نے دیکھ کر مجھے بہت سرفراز کیا اور عزّت وحرمت سے بٹھایا اور فرمانے لگا کہ تجھ سے مَیں ایسا سلوک کروں گا کہ کسی نے آج تک کسی سے نہ کیا ہوگا، بادشاہت تو تیرے باپ کی موجود ہے، علاوہ اب تو میرے بیٹے کی جگہ ہوا، اتنے میں وہ نازنین بھی رو برو آئی، اس روغن کی بُو سے یک بہ یک دماغ پراگندہ ہوا، اُٹھ کر باہر چلا گیا اور ہم دونوں کو بُلوایا اور مبارک کی طرف متوجّہ ہوکر فرمایا کہ کیوں جی! خوب شرط بجا لائے۔

جب میں نے اُس کے نُبشرے سے یہ معلوم کیا، کہ وہ مجھے جان سے مار ڈالنا چاہتا ہے۔ تو اپنے جی سے ہاتھ دھوکر مبارک کی کمر سے چھری کھینچی اور ملک صادق کی توند میں ماری۔ چھُری لگتے ہی وہ بھوما میں نے جانا کہ یقیناً وہ مرگیا۔ اور کھڑا دیکھ رہا تھا کہ وہ گیند کی صورت بن کر آسمان کی طرف اُڑچلا۔ ایسا بلند ہوا کہ آخر نظروں سے غائب ہوگیا، پھر ایک پل کے بعد بجلی کی طرح کڑکتا اور غصّے میں کچھ بے معنی بکتا ہوا نیچے آیا، اور مجھے ایک لات ماری کہ میں تیورا کر چاروں شانے چت گر پڑا خدا جانے کتنی دیر میں ہوش آیا، آنکھیں کھول کر جو دیکھا تو ایک ایسے جنگل میں پڑا ہوں کہ جہاں سوائے کیکر اور جھڑبیری کے درختوں کے کچھ اور نظر نہیں آتا، اب اس گھڑی عقل کچھ کام نہیں کرتی کہ کیا کروں اور کہاں جاؤں! ناامیدی سے ایک آہ بھر کر ایک

طرف کی راہ لی، اگر کہیں کوئی آدمی کی صورت نظر پڑتی تو ملک صادق کا نام پوچھتا۔ وہ دیوانہ جان کر جواب دیتا کہ ہم نے تو اُس کا نام بھی نہیں سُنا۔

ایک روز پہاڑ پر جاکر میں نے ارادہ کیا کہ خود کو گراکر ضائع کروں جب گرنے کے لئے مستعد ہوا، وہی سوار صاحبِ ذوالفقار برقع پوش آپہنچا اور بولا، "کہ کیوں تو اپنی جان کھوتا ہے؟ آدمی پر دکھ درد سب ہوتا ہے۔ اب تیرے بُرے دن گئے اور بھلے دن آئے، جلد روم کو جا، تین شخص ایسے ہی آگے گئے ہیں، اُن سے ملاقات کر اور وہاں کے سلطان سے مل، تم پانچوں کا مطلب ایک ہی جگہ ملے گا۔" اس فقیر کی سیر کا ماجرا یہ ہے جو عرض کیا۔

یہ باتیں چار درویش اور پادشاہ آزادبخت میں ہو رہی تھیں، کہ ایک خواجہ سرا، پادشاہ کے محل میں سے دوڑا ہوا آیا اور عرض کی کہ اس وقت شاہزادہ پیدا ہوا کہ آفتاب ومہتاب اُس کے حُسن کے رو برو شرمندہ ہیں۔

پادشاہ کو ایسی خوشی حاصل ہوئی کہ شاید شادیِ مرگ ہوجائے، چاروں فقیروں نے بھی دعا دی، کہ "بھلا بابا! تیرا گھر آباد رہے، اور اُس کا قدم مبارک ہو، تیرے سائے کے تلے بوڑھا بڑا ہو۔" پادشاہ نے کہا یہ تمہارے قدم کی برکت ہے۔ ہمارے سان وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی،

پادشاہ نے جشن کی تیاری کا حکم دیا، خزانے کا منہ کھول دیا، داد و دہش سے ایک کوڑی کے محتاج کو لکھ پتی کر دیا۔ ارکانِ دولت جتنے تھے سب کو دوچند جاگیر و منصب کے فرمان ہو گئے۔ مشائخ اور اکابر کو مدد معاش عنایت ہوا، اور تین برس کا لگان رعیت کو معاف کیا، کہ جو کچھ بوئیں جوتیں دونوں حصے اپنے گھروں میں اُٹھا لیجائیں۔

مارے خوشی کے ہر ایک ادنیٰ اعلیٰ بادشاہِ وقت بن بیٹھا۔ عین شادی میں ایک بارگی اندرونِ محل سے رونے پیٹنے کا غُل اُٹھا، خواصیں اور خواجہ سرا، سر میں خاک ڈالتے ہوئے باہر نکل آئے اور بادشاہ سے کہا، کہ جس وقت شہزادے کو نہلا دُھلا کر دائی کی گود میں دیا ایک ابر کا ٹکڑا آیا اور دائی کو گھیر لیا۔ بعد ایک دم کے دیکھیں تو دائی بے ہوش پڑی ہے اور شہزادہ غائب ہو گیا۔ بادشاہ یہ سُن کر حیران ہو رہا، اور تمام ملک میں واویلا مچا۔ دو دن تک کسی کے گھر ہانڈی نہ چڑھی، شہزادے کا غم کھاتے اور اپنا لہو پیتے تھے۔

جب تیسرا دن ہوا، وہی بادل پھر آیا اور ایک پنگوڑا لایا۔ اُسے محل میں رکھ کر آپ ہَوا ہُوا۔ لوگوں نے شہزادے کو اس میں انگوٹھا چوستے ہوئے پایا۔ بادشاہ بیگم نے جلدی بلائیں لے کر چھاتی سے لگا لیا دیکھا تو کرتا آبِ رواں کا موتیوں کا دامن ٹکا ہوا گلے میں ہے، اور ہیکل نورتن کی پڑی ہے اور جھنجھنا، چینی جڑاؤ دھرے ہیں۔ سب مارے خوشی کے واری پھیری ہونے لگیں کہ تیری ماں کا پیٹ ٹھنڈا

رہے، اور تو بوڑھا ہو۔

پادشاہ نے ایک بڑا محل نیا تعمیر کرا کے اس میں درویشوں کو رکھا جب سلطنت کے کام سے فراغت ہوتی تب آ بیٹھتے اور سب طرح خدمت اور خبرگیری کرتے، لیکن ہر چاند کی جمعرات کو وہی پارۂ ابر آتا اور شہزادے کو لے جاتا۔ بعد دو دن کے تحفہ، کھلونے اور سوغاتیں ہر ایک ملک کی اور ہر ایک قسم کی شہزادے کے ساتھ لے آتا۔ جن کے دیکھنے سے عقل حیران ہو جاتی۔ اِسی قاعدے سے پادشاہزادے نے خیریت سے ساتویں برس میں پاؤں رکھا، عین سالگرہ کے روز پادشاہ آزاد بخت نے فقیروں سے کہا کہ کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ شہزادے کو کون لے جاتا ہے، بڑا تعجب ہے، دیکھئے انجام اس کا کیا ہوتا ہے۔ درویشوں نے کہا ایک شوقیہ خط اس مضمون کا لکھ کر شہزادے کے گہوارے میں رکھ دو، کہ تمھاری مہربانی اور محبت دیکھ کر ہمارا بھی دل مشتاق ملاقات کا ہوا ہے۔ اگر دوستی کی راہ سے اپنے احوال کی اطلاع دیجئے تو خاطر جمع ہو۔ پادشاہ نے موافق صلاح درویشوں کے، افشانی کاغذ پر ایک رقعہ اِسی عبارت کا لکھا اور جھولے میں رکھ دیا۔

شہزادہ بہ موجب قاعدہ قدیم کے غائب ہوا، جب شام ہوئی آزاد بخت درویشوں کے بستروں پر آکر بیٹھے اور گفتگو ہونے لگی۔ ایک کاغذ لپٹا ہوا پادشاہ کے پاس آپڑا، کھول کر پڑھا، تو جواب اُسی خط کا تھا، یہی دو سطریں لکھی تھیں، کہ ہمیں بھی اپنا مشتاق جانیئے، سواری

کے لئے تخت حاضر ہے، اس وقت اگر تشریف لائیں تو بہتر ہے، باہم ملاقات ہو۔ پادشاہ آزاد بخت، درویشوں کو ہمراہ لے کر تخت پر بیٹھے، وہ تخت ہوا پر چلا۔ رفتہ رفتہ ایسے مکان پر جا اُترے کہ عمارت عالیشان اور تیاری کا سامان نظر آتا ہے۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہاں کوئی ہے یا نہیں۔ اتنے میں کسی نے ایک ایک سلائی سلیمانی سرمے کی ان پانچوں کی آنکھوں میں پھیر دی۔ دو دو بوندیں آنسو کی ٹپک پڑیں پریوں کا اکھاڑا دیکھا کہ استقبال کی خاطر رنگ بہ رنگ کے جوڑے پہنے ہوئے کھڑا ہے۔

آزاد بخت آگے چلے تو ہزاروں پری زاد مؤدّب کھڑے ہیں اور صدر میں ایک تخت زمرّد کا دھرا ہے۔ اُس پر ملکِ شہبال شاہ فرخ کا بیٹا تکیئے لگائے بڑے تزک سے بیٹھا ہے اور ایک لڑکی روبرو بیٹھی شہزادۂ بختیار کے ساتھ کھیل رہی ہے، ملک شہبال پادشاہ کو دیکھتے ہی سرو قد اٹھا اور تخت سے اُتر کر بغلگیر ہوا اور ہاتھ پکڑے اپنے برابر تخت پر لا کر بٹھایا اور بڑے تپاک و گرم جوشی سے باہم گفتگو ہونے لگی۔ تمام روز ہنسی خوشی کھانے اور میوے کی ضیافت رہی اور راگ و رنگ سنا کئے۔ دوسرے دن جب پھر دونوں پادشاہ جمع ہوئے، شہبال نے پادشاہ سے درویشوں کے ساتھ لانے کی کیفیت پوچھی۔

پادشاہ نے چاروں بے نواؤں کا ماجرا جو سنا تھا مفصّل بیان

کیا اور سفارش کی، مدد چاہی، کہ انھوں نے اتنی محنت اور مصیبت کھینچی ہے، اب صاحب کی توجہ سے اگر اپنے اپنے مقصد کو پہنچیں تو ثواب عظیم ہے، اور یہ مخلص بھی تمام عمر شکر گذار رہے گا۔ ملک شہبال نے سُن کر کہا بسر و چشم ہیں تمہارے فرمانے سے قاصر نہیں۔ یہ کہہ کر نگاہِ گرم سے دیووں اور پریوں کی طرف دیکھا، اور جو سردار تھے ان کو نامے لکھے، کہ اس فرمان کے دیکھتے ہی اپنے کو حضور پُر نور میں حاضر کرو، اگر کسی کے آنے میں توقف ہوگا تو اپنی سزا پاے گا اور پکڑا ہوا آئے گا، اور آدم زاد خواہ عورت ہو خواہ مرد جس کے پاس ہو اُسے اپنے ساتھ لیتے آئے۔

ملک شہبال درویشوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ ہم کو بھی بڑی آرزو تھی اور دل میں یہ عہد کیا تھا کہ اگر خدا بیٹی دے تو اس کی شادی بنی آدم کے بادشاہ کے یہاں جو لڑکا پیدا ہوگا اس سے کروں گا۔ جس دن یہ لڑکی پیدا ہوئی موافق وعدے کے میں نے حکم کیا کہ دنیا میں جستجو کرو جس بادشاہ یا شہنشاہ کے یہاں فرزند پیدا ہوا ہو اس کو بہ احتیاط جلد اٹھا کر لے آؤ۔ چنانچہ اِس شہزادے کو میرے پاس لے آئے۔

میں نے خدا کا شکر کیا اور اپنی گود میں لے لیا، اپنی بیٹی سے زیادہ اُس کی محبت میرے دل میں پیدا ہوئی۔ جی نہیں چاہتا کہ ایک دم نظروں سے جدا کروں، لیکن اس خاطر بھیجتا ہوں کہ اگر اس کے ماں باپ نہ دیکھیں گے تو اُن کا کیا حال ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اب ہماری

تمہاری ملاقات ہوئی اُس کی کتخدائی کر دیتا ہوں ، موت ، حیات سب کو لگی ہے ، ہم جیتے جی اِن کا سہرا دیکھ لیں ۔

پادشاہ آزاد بخت یہ باتیں ملک شہبال کی سنکر اور اُس کی خوبیاں دیکھ کر نہایت محظوظ ہوئے اور بولے ، یہ بیٹا اب تمہارا ہے ، جس میں تمہاری خوشی ہو سو کیجئے ۔ دس پانچ دن کے عرصے میں بڑے بڑے ، پادشاہ گلستانِ ارم کے ، کوہستان کے ، اور جزائر کے سب حاضر ہوئے پہلے ملک صادق سے فرمایا کہ تیرے پاس جو آدم زاد ہے حاضر کر ، اس نے بہت غم و غصہ کھا لاچار اس گلعذار کو حاضر کیا ، اور ولایت عمان کے بادشاہ سے جن کی شہزادی (جس کے واسطے شہزادہ ملک نیمروز کا گاؤ سوار ہو کر سودائی بنا تھا) مانگی ۔ اُس نے بھی بہت معذرت کر کے حاضر کیا ۔ جب پادشاہ فرنگ کی بیٹی اور بہزاد خاں کو طلب کیا ۔ سب منکر ہوئے اور حضرت سلیمانؑ کی قسم کھانے لگے ۔

آخر دریائے قلزم کے پادشاہ سے جب پوچھنے کی نوبت آئی تو سر نیچا کر کے چپ ہو رہا ۔ ملک شہبال نے اس کی خاطر کی ، اور قسم دی ، تب وہ بھی ہاتھ جوڑ کر عرض کرنے لگا ، کہ پادشاہ سلامت ! وہ دونوں صحیح سلامت میرے پاس ہیں ۔

سلطان شام کی شہزادی کی بہت تلاش رہی ، آخر ملک شہبال نے کہا کوئی بادشاہ یا سردار غیر حاضر بھی ہے ؟ جنوں نے عرض کی وہ سردار جس نے کوہ قاف کے پردے میں ایک قلعہ جادو کے علم سے بنایا ہے محض وہ

اپنے غرور سے نہیں آیا۔ یہ سُن کر ملک شہبال کو تپش آیا اور حکم دیا کہ اس شہزادی کو ساتھ لے کر اور اس سرکش کو مشکیں باندھ کر لے آؤ چنانچہ ایک آدھ دن میں اس سرکش کو مع شہزادی کے لے آئے۔ تب ملک شہبال نے فرمایا کہ مردوں کو دیوان خاص میں اور عورتوں کو پادشاہی محل میں بھیج دو

ایک روز نیک ساعت دیکھ کر شہزادۂ بختیار کا عقد اپنی بیٹی روشن اختر سے باندھا، اور خواجہ زادہ یمن کو دمشق کی شہزادی سے، اور ملک فارس کے شہزادے کا نکاح بصرے کی شہزادی سے، اور عجم کے بادشاہزادے کو ملکہ فرنگ سے منسوب کیا اور نیمروز کے بادشاہ کی بیٹی کو بہزاد خاں کو دیا اور شہزادۂ نیمروز کو جن کی شہزادی حوالے کی اور چین کے شہزادے کو اس پیر مرد عجمی کی بیٹی (جو ملک صادق کے قبضے میں تھی) کتخدا کیا۔ ہر ایک نامراد بدولت ملک شہبال کے اپنے اپنے مقصد اور مراد کو پہنچا اس کے بعد چالیس دن تک جشن فرمایا اور عیش و عشرت میں رات دن مشغول رہے۔

آخر ملک شہبال نے ہر ایک بادشاہ زادے کو تحفے اور مال و اسباب دے دے کر اپنے اپنے وطن کو رخصت کیا۔ سب بہ خوشی روانہ ہوئے اور بہ خیر و عافیت جا پہنچے، اور بادشاہت کرنے لگے مگر ایک بہزاد خاں اور خواجہ زادہ یمن اپنی خوشی سے بادشاہ آزاد بخت کی رفاقت میں رہے۔

الٰہی! جس طرح یہ چاروں درویش اور پانچواں بادشاہ آزاد بخت اپنی مراد کو پہنچے، اسی طرح ہر ایک نامراد کا مقصد دلی اپنے کرم اور فضل سے برلا۔

سول ایجنٹ

سید عبد القادر اینڈ سنس

تاجران کتب چارمینار

و

مالک اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز

حیدرآباد دکن

قیمت ۱۲ ار   شہریور سنہ ۱۳۵۰ ف   تعداد طبع (۳۰۰۰)